ادارۂ تحقیق و تصنیفِ اسلامی کا ترجمان

سہ ماہی

تحقیقاتِ اسلامی

علی گڑھ

پان والی کوٹھی، دودھ پور، علی گڑھ
۲۰۲۰۰۱

ادارۂ تحقیق و تصنیفِ اسلامی کا سہ ماہی ترجمان

تحقیقاتِ اسلامی

علی گڑھ

اپریل ـــــــــ جون ۱۹۹۹ء

ـــ: ایڈیٹر :ـــ

سید جلال الدین عمری

پان والی کوٹھی دودھپور علی گڑھ

۲۰۲۰۰۱

Islamic Book Centre
Jamia Complex N. R. Road
BANGALORE-560002
PHONE: 6700491

سہ ماہی تحقیقات اسلامی علی گڑھ

جلد ۱۸ شمارہ ۲

اپریل ـــــــ جون ۱۹۹۹ء

ذی الحجہ ۱۴۱۹ھ ـــــــ صفر ۱۴۲۰ھ

زرتعاون

اندرون ملک		فی شمارہ	۲۰ روپیے
		سالانہ	۷۵ روپیے
	لائبریری و ادارے	سالانہ	۱۰۰ روپیے
بیرون ملک	(انفرادی)	"	۲۵۰ روپیے
	(ادارے)	"	۵۰۰ روپیے
پاکستان	(انفرادی)	"	۱۵۰ روپیے
	(ادارے)	"	۲۰۰ روپیے

طابع و ناشر سید جلال الدین عمری نے انٹرنیشنل پرنٹنگ پریس علی گڑھ کے لیے ناز پرنٹنگ پریس دہلی سے چھپواکر ادارہ تحقیق و تصنیف اسلامی، پان والی کوٹھی، دودھ پور، علی گڑھ سے شائع کیا

فہرست مضامین

حرفِ آغاز

انسانی حقوق اور اسلامی ریاست	سید جلال الدین عمری	۵

تحقیق و تنقید

امام طبری اور محدثین کرام - احادیث کا تقابلی مطالعہ	پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقی	۳۰

بحث و نظر

ملتِ ابراہیمی اور اسلام	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	۷۱

سیر و سوانح

حسن بن محمد صغانی (ایک نامور محدث)	ڈاکٹر خالد ظفر اللہ داؤدی	۹۷

تعارف و تبصرہ

قرآن کریم میں نظم و مناسبت	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	۱۱۳
فقیہ الشام امام اوزاعیؒ	"	۱۱۴
ماہنامہ الفرقان لکھنو (اشاعت خاص)	ڈاکٹر منور حسین فلاحی	۱۱۶
ید بیضا	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	۱۱۹

مطبع: بھارت آفسیٹ، دہلی-۶

اس شمارہ کے لکھنے والے

۱۔ پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقی

پروفیسر ادارۂ علوم اسلامیہ۔ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

۲۔ ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی

رکن ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی علی گڑھ

۳۔ ڈاکٹر خالد ظفر اللہ داؤدی

اسسٹنٹ پروفیسر شعبۂ علوم اسلامیہ گورنمنٹ کالج سمندری فیصل آباد پاکستان

۴۔ ڈاکٹر منور حسین فلاحی

لکچرر شعبۂ اردو، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

۵۔ سید جلال الدین عمری

سکریٹری ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی علی گڑھ

-: خوشنویس :-

ابن سیف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرفِ آغاز

انسانی حقوق اور اسلامی ریاست

سید جلال الدین عمری

اس دنیا میں طاقتور اور کم زور دونوں طرح کے انسان آج بھی ہیں، کل بھی تھے اور آئندہ بھی رہیں گے۔ انسان کی فطرت یہ چاہتی ہے کہ طاقتور اپنی طاقت کا غلط استعمال نہ کرے اور کم زوروں کے ساتھ محبت، ہمدردی، تعاون اور دست گیری کا رویہ اختیار کرے۔ طاقتور کی طاقت، کم زور کی کم زوری رفع کرنے اور اُسے اوپر اٹھانے میں صرف ہو، طاقتور اسے اس قابل بنائے کہ زندگی کی دوڑ میں وہ پیچھے نہ رہ جائے لیکن ماضی کی شہادت اور حال کا مشاہدہ ہے کہ زیادہ تر حالات میں فطرت کا یہ مطالبہ پورا نہیں ہوا، طاقتور کے ہاتھ میں بے شمار حقوق اور اختیارات جمع ہوتے چلے گئے، کمزور کو ان کا بہت تھوڑا حصّہ ملا یا بالکل نہیں ملا، طاقتور کو طاقت کے نشے میں اپنی ذمہ داریاں یاد نہیں رہیں اور کم زور ذمہ داریوں کے بوجھ تلے دبتا چلا گیا، طاقتور نے اپنے حقوق و اختیارات کا بے تحاشا استعمال کیا اور کم زور اپنی محرومی پر آنسو بہاتا رہا، کبھی تو اسے مضبوط اور طاقتور ہاتھوں نے اس طرح دبایا اور کچلا کہ سسکنے، تڑپنے اور فریاد کرنے کی بھی اجازت نہیں دی گئی۔ اس طرزِ عمل کا ایک شاخسانہ یہ رہا کہ مختلف ادوار میں اور زمین کے مختلف خطوّں میں اصحابِ حقوق اور اصحابِ فرائض کے مستقل طبقات وجود میں آتے چلے گئے۔ ایک طرف وہ گروہ تھا جو گرد وپیش کے تمام وسائل کا مالک و مختار تھا دوسری طرف وہ طبقہ تھا جو ہر چیز سے محروم تھا، ایک جانب آسائش وراحت اور عیش وعشرت تھی اور دوسری جانب زندگی اپنے وجود اور بقا کے لیے تڑپ رہی تھی، طاقتور طبقہ کے ہاتھ میں اقتدار، حکومت، قانون، علم وفن، وسائلِ معیشت اور تہذیب و معاشرت سب کچھ تھا۔ اسی میں سے فرماں روانِ مملکت، امراء و رؤسائے سلطنت، فوجی جرنیل، علوم وفنون کے ماہر تہذیب کے معمار،

اور سماج کے صورت گر پیدا ہوئے اور ہر در و بام کے مالک بن بیٹھے، کم زور طبقہ ان میں سے کسی بھی چیز کا اپنے لیے تصور نہیں کر سکتا تھا۔ وہ زندہ بھی تھا تو صرف اس لیے کہ طاقتور طبقہ کو اس کی ضرورت تھی۔ وہ بے روح مشین کی طرح اس کی قوت میں اضافہ کا سبب بنا رہا۔ طاقتور کے پاس ایسے بہت سارے حقوق جمع ہوتے چلے گئے جن کے لیے کوئی وجہ جواز نہیں ہے اور کم زور اپنے جائز حقوق سے بھی محروم تھا۔ وہ اس کے لیے جد و جہد کیا معنی اس کا ذکر بھی اپنی زبان پر لانے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔ بعض اوقات اس کا سلسلہ اتنا دراز ہوتا چلا گیا کہ دونوں طبقات نے اسے قانون فطرت سمجھ لیا۔ طاقتور طبقہ نے سمجھایا اسے باور کرا دیا گیا کہ جو کچھ اس کے پاس ہے اس کے ذاتی استحقاق کی بنا پر ہے اور بلا شرکت غیرے وہ اس کا مالک و مختار ہے اور کم زور طبقہ اپنی محرومی پر قانع و صابر ہوتا چلا گیا کہ یہی اس کی قسمت میں ازل سے لکھا گیا ہے۔ کبھی ان کے درمیان کشمکش اور تصادم بھی رہا ہے، بغاوت بھی ہوئی ہے لیکن صورت حال میں بہت زیادہ تبدیلی نہیں آئی ہے۔ یہ تصویر جتنی بھیانک ہے اسی قدر بھیانک یہ سوال ہے کہ کیا نوع انسانی کی تاریخ ظلم و ستم ہی کی تاریخ ہے؟ کیا اس نے عدل و انصاف اور فضل و احسان کی فصل بہار کبھی نہیں دیکھی؟ کیا اس طویل مدت میں اولاد آدم کی اکثریت اپنے حقوق سے بے خبر اور نا آشنا ہی رہی یا ان سے محرومی ہی اس کے حصہ میں آئی؟ کیا ان حقوق کی حمایت میں کبھی کوئی آواز بلند نہیں ہوئی اور ان کے لیے جد و جہد کرنے والے اور حق دار کو حق دلانے اور اسے ادا کرنے والے نہیں پیدا ہوئے؟

اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ دنیا نے عدل و انصاف کی مثالیں ضرور دیکھی ہیں لیکن زیادہ تر ظلم کی تاریخ ہی رقم ہوتی رہی ہے۔ اصحاب اقتدار اور طاقتور طبقات اس کے سیاہ اوراق میں اضافہ کرتے رہے ہیں۔ اس کے نتیجہ میں زیادہ زمانہ نہیں گزرا صرف چند صدی قبل حقوق انسانی کا تصور شدت سے ابھرا، اس کے لیے جد و جہد شروع ہوئی اور اس نے بہت جلد ایک عمومی تحریک کی شکل اختیار کر لی۔ اس کا مرکز یورپ خاص طور پر برطانیہ اور فرانس تھے۔ بعد میں امریکہ نے بھی اس سمت میں پیش رفت کی۔

اس کی تاریخ بارہویں صدی سے شروع ہوتی ہے ۔ جب کہ شاہ کانکرڈ ثانی Concard II نے ایک منشور کے ذریعہ پارلیمنٹ کے اختیارات متعین کیے۔

۱۱۸۸ء میں شاہ الفانسو نہم Alfanso IX سے حبس بے جا کے عدم جواز کا اصول تسلیم کرایا گیا۔

۱۷۶۶ء میں فرانس کے معروف مفکر روسو Rovsseave نے معاہدۂ عمرانی لکھی۔ اسے انقلاب فرانس کا بانی تصور کیا جاتا ہے ۔ اس کی بنیاد پر ۱۷۸۹ء میں فرانس کا منشور حقوق انسانی Declaration of the Rights of Man سامنے آیا۔

۱۷۷۶ء میں امریکی ریاست ورجینیا میں منعقدہ اجتماع نے George Mosion کا مرتب کردہ منشور حقوق انسانی منظور کیا۔

اس سلسلہ کی اور بھی نمایاں کوششیں ہیں ۔ اقوام متحدہ نے بھی مختلف مواقع پر اس سلسلہ میں قرار دادیں منظور کیں۔ آخر میں ۱۰ دسمبر ۱۹۴۸ء کو اس نے عالمی منشور حقوق انسانی The Universal Declaration of Human Rights. پاس کیا دنیا کی بیشتر قوموں نے اس کی تائید کی۔ جن قوموں نے تائید نہیں کی انھوں نے بھی اس سے اختلاف نہیں کیا۔ اس پہلو سے اسے اقوام عالم کا متفقہ منشور کہا جاتا ہے۔ کوئی بھی حکومت اس کا انکار یا مخالفت نہیں کر رہی ہے ۔ اسے حقوق انسانی کی تاریخ میں ایک انقلابی قدم سمجھا جاتا ہے۔

حقوق انسانی کے اس عالمی منشور میں فرد کی آزادی، عدل و انصاف اور مساوات کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ یہ معاشی، سماجی اور ثقافتی حقوق کے ساتھ سیاسی حقوق کا بھی احاطہ کرتا ہے۔ اس میں فرد کا یہ حق تسلیم کیا گیا ہے کہ اس کے ساتھ مساوات ہو، کسی کو اس سے برتر اور بلند تر نہ سمجھا جائے، اسے جان اور مال کا تحفظ حاصل ہو، اس پر کسی قسم کا جبر و تشدد نہ روا رکھا جائے اور اسے عدل و انصاف ملے۔ اسی طرح عقیدہ اور مذہب، اظہار خیال، تنظیم اور جماعت سازی، سفر اور نقل مکانی، اپنی مرضی سے شادی بیاہ اور خاندان بسانے کو اس کا حق مانا گیا ہے۔ تعلیم، حکومت میں شرکت، ملازمت، راحت اور آرام، خلوت اور نجی زندگی میں عدم مداخلت کو بھی

اس کا بنیادی حق قرار دیا گیا ہے۔

اس منشور کی یہ خوبی سمجھی جاتی ہے کہ یہ فرد کو بعض بنیادی حقوق فراہم کرتا ہے۔ اس میں حکمراں طبقہ کے جور و ستم سے شہریوں کو محفوظ رکھنے کی تدبیر کی گئی ہے۔ طاقت کا سرچشمہ عوام کو بتایا گیا اور حکمرانوں کو ان کے سامنے جواب دہ قرار دیا گیا ہے۔ عدل و انصاف کے حصول کو آسان بنانے کی کوشش کی گئی ہے اور اس بات کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ فرد کو تعلیم، ترقی اور خوش حالی کے مواقع فراہم کیے جائیں۔

اس کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ اس میں بعض بنیادی خامیاں بھی ہیں۔ ان سے صرف نظر نہیں کیا جا سکتا۔ ان خامیوں کی وجہ سے اس سے متوقع نتائج برآمد نہیں ہو پا رہے ہیں۔

اس منشور کے پیچھے کوئی قوتِ نافذہ نہیں ہے۔ دوسرے لفظوں میں کوئی ایسی بالاتر قوت نہیں ہے جو کسی قوم کو اس کا پابند بنائے۔ اس پہلو سے بعض اوقات اس کی حیثیت محض پند و موعظت اور اخلاقی تلقین کی ہو کر رہ جاتی ہے۔ چنانچہ ان ممالک میں بھی جو اسے ایک مقدس صحیفہ سمجھتے اور اس کے گن گاتے رہتے ہیں، حقوق انسانی کی خلاف ورزی کے واقعات بکثرت ہوتے رہتے ہیں۔ ان حقوق کی نگرانی کرنے والے دنیا میں بہت سے ادارے کام کر رہے ہیں اور مفید خدمات انجام دے رہے ہیں۔ ان میں ایک European court of Human Rights ہے۔ اس میں یورپ کے ۳۸ ممالک حقوق انسانی کی پامالی سے متعلق مقدمات درج کراتے ہیں۔ گزشتہ سال ۷۷۱۱ درخواستیں وہاں پہونچیں۔ ان میں جن چھ ممالک کی شکایات دوسرے ملکوں سے زیادہ ہیں وہ یہ ہیں۔

۱۔	1825	TURKEY
۲۔	1191	ITALY
۳۔	861	POLAND
۴۔	588	U.K.
۵۔	471	FRANCE
۶۔	365	AUSTRALIA

ان مہذب ممالک میں داخلی طور پر حقوق انسانی کی خلاف ورزی جس پیمانہ کی ہوتی ہے اس سے کہیں زیادہ بین الاقوامی سطح پر وہ اس کا ارتکاب کرتے ہیں۔ طاقتور اقوام کو، جنھیں ترقی یافتہ سمجھا جاتا ہے، ان کا پابند بنانا کم زور قوموں کے بس کی بات نہیں ہے۔ الجیریا، فلسطین، کوسووو، بوسنیا، عراق وغیرہ اس کی نمایاں مثالیں ہیں۔ فلسطین میں جس طرح حقوق انسانی کی پامالی ہو رہی ہے اسے اقوام متحدہ کی جانچ ٹیم کے ذمہ داروں نے تسلیم کیا ہے۔

یہ منشور فرد اور ریاست کے حقوق کا ٹھیک ٹھیک تعین نہیں کرتا۔ اس سے یہ بات واضح نہیں ہے کہ فرد کے حقوق کے حدود کیا ہیں اور کہاں سے ریاست کے اختیارات شروع ہو جاتے ہیں۔

مذہب کے معاملے میں بھی اس کا رویہ غیر واضح ہے۔ اس میں فرد کو یہ حق دیا گیا ہے کہ وہ کسی بھی مذہب کو اختیار کر سکتا اور اس پر عمل کر سکتا ہے، لیکن اس حقیقت کو نظر انداز کر دیا گیا ہے کہ مذہب انسان کے حقوق و فرائض کا بھی تعین کرتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا وہ ان پر عمل کر سکتا ہے؟ اگر نہیں کر سکتا یا خاص دائرہ ہی میں کر سکتا ہے تو مذہبی آزادی کے کیا معنیٰ ہیں؟

یہ منشور اس تصور کے تحت وجود میں آیا ہے کہ انسان آزاد ہے اور وہ اپنے لیے خود قانون بنا سکتا ہے۔ اسے کسی آسمانی ہدایت کی ضرورت نہیں ہے۔ یا یوں کہا جا سکتا ہے کہ یہ ایک غیر مذہبی یا سیکولر منشور ہے۔ اس میں فطری طور پر سیکولر نظریات کے ابھرنے، اس نوع کی تحریکوں کے قائم ہونے، فروغ پانے اور اس سے ہم آہنگ کردار کی تبلیغ واشاعت کے زیادہ مواقع ہیں۔ عملاً یہی ہو بھی رہا ہے۔ حریتِ فکر اور فرد کی آزادی کے نام پر الحاد اور خدا بیزاری، وحی و رسالت اور آخرت کے انکار کا ذہن بن رہا ہے۔ مخرب اخلاق تحریکیں چلانے، دنیا کو ایک خاص تہذیب اور کلچر کا عادی بلکہ پابند بنانے کی بھرپور کوشش ہو رہی ہے۔ اسے ترقی اور روشن خیالی سمجھا جاتا ہے۔ اس کے برعکس کسی دینی تحریک کے چلانے اور دینی اور اخلاقی قدروں کی ترویج و اشاعت کے مواقع محدود سے محدود تر ہیں۔ اس کی گنجائش نکلے بھی تو اس کی راہ میں طرح طرح کی رکاوٹیں ہیں، ان کے خلاف ذرائع ابلاغ کے ذریعہ فضا بنائی

جاتی ہے اور ان کی بدترین تصویر پیش کی جاتی ہے۔ دقیانوسیت اور بنیاد پرستی کے الزامات لگا کر انھیں ناقابلِ قبول ٹھہرایا جاتا ہے اور موقع ملنے پر طاقت کے ذریعہ ان کو ختم کرنے کی بدترین تدبیریں بھی کی جاتی ہیں۔ آزادیٔ فکر کے سارے دعوے یہاں ختم ہو جاتے ہیں۔

انسانی حقوق کے سلسلے میں آج دنیا میں جو بہترین مساعی ہو رہی ہیں اور اس کے ساتھ ان کی بدترین خلاف ورزی جس بڑے پیمانے پر ہو رہی ہے اس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے۔ اس وقت پیش نظر یہ ہے کہ حقوق انسانی کے موضوع پر اسلامی فکر کو کسی قدر تفصیل سے سمجھنے کی کوشش کی جائے۔ یہ محض عقیدت ومحبت یا جذباتی تعلق کا اظہار نہیں ہے بلکہ ایک حقیقت ہے کہ اسلام نے جس وسعت اور گہرائی، بصیرت اور ژرف نگاہی سے اس کے ہر پہلو پر روشنی ڈالی ہے اس کی نظیر کسی منشور اور کسی دستور میں نہیں پائی جاتی۔ صاف محسوس ہوتا ہے کہ دنیا نے بہت سے معاملات میں جس طرح اسلام سے فیض اٹھایا ہے اسی طرح اس معاملہ میں بھی اس کی توجیہیں ہے۔ البتہ اس کے اعتراف کی ہمت یا ظرف ابھی اسے حاصل نہیں ہے۔ اسلامی فکر کا پورا تتبع نہ ہونے کی وجہ سے موجودہ ذہن افراط وتفریط اور بے اعتدالی کا شکار رہے۔ ضرورت ہے کہ اس کی نشاندہی کی جائے اور اسلامی فکر میں جو اعتدال اور توازن پایا جاتا ہے اسے نمایاں کیا جائے۔

اسلام اس تصور کے خلاف ہے کہ انسان ایک طویل عرصہ تک ظلمت اور تاریکی میں رہا۔ پھر آہستہ آہستہ اسے علم وفکر کی روشنی ملی۔ اس کے نزدیک انسانِ اول بھی اللہ تعالیٰ کی ہدایات کے ساتھ اس زمین پر آباد ہوا۔ اس کے بعد ہر دور میں اس کی ہدایت اور رہنمائی کا انتظام ہوتا رہا۔ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر اسے حقوق اللہ اور حقوق العباد سے باخبر کرتے رہے۔ انھوں نے ایک طرف یہ بتایا کہ انسان پر اللہ تعالیٰ کا کیا حق عائد ہوتا ہے، دوسری طرف بندوں کے حقوق کی وضاحت کی۔ ان کی تعلیمات میں خدائے واحد کی عبادت سے لے کر حسب حال نظام شریعت بھی رہا ہے۔ اگر انسان نے خدا کا حق ادا نہیں کیا تو اس پر انھوں نے تنقید کی۔ شرک کو مٹایا اور توحید کو قائم کیا۔ انسان نے انسان کے حقوق پر شب خون مارا تو اس کے خلاف

بھی انھوں نے آواز اٹھائی، ظلم و انصاف کے خاتمہ اور عدل و انصاف کے قیام کے لیے ان کی مساعی جاری رہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں اقتدار عطا کیا تو حق دار کو اس کا حق دلایا اور سماج میں عدل و انصاف کو عملاً قائم کیا۔ انسان کی تاریخ کے ساتھ وحی و رسالت کی تاریخ جڑی ہوئی ہے۔ اس سے صرف نظر کر کے اس کا مطالعہ ناقص اور ادھورا ہوگا۔

اسلام نے انسان کو کیا حقوق دئے ہیں اور کس حد تک دئے ہیں اس کے تفصیلی مطالعہ سے پہلے خود انسان کے بارے میں اس کے نقطۂ نظر کو سمجھنا ہوگا۔ اس لیے کہ یہ سارے حقوق اسی نقطۂ نظر کے تابع ہیں۔ وہ اس کے فطری اور منطقی نتائج کے طور پر ابھرتے اور اسی کی بنیاد پر تفصیلی شکل اختیار کرتے ہیں۔ اس لیے پہلے اس بات کی کوشش ہوگی کہ انسان کے بارے میں اسلام کے نقطۂ نظر کی وضاحت ہو جائے، اس کے بعد اس کے حقوق کا ذکر ہوگا۔

۱۔ اسلام اس حقیقت کو پوری قوت کے ساتھ پیش کرتا ہے اور اس پر ایمان لانے کی دعوت دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی اس کائنات کا خالق و مالک ہے۔ زمین و آسمان اور یہاں کی ہر چیز اس کی پیدا کردہ اور اسی کی ملکیت ہے۔ اس میں کوئی دوسرا اس کا شریک نہیں ہے۔ انسان اس زمین پر اس کا خلیفہ اور نائب ہے (البقرہ: ۳۰) اس کا کام اس کے احکام کی تعمیل اور ان کا نفاذ ہے۔ اسی میں اس کا امتحان ہے۔ اس حقیقت پر ایمان لانے اور اسے تسلیم کرنے سے سماجی زندگی میں زبردست انقلابی تبدیلی رونما ہوتی ہے وہ یہ کہ یہ دنیا اور اس کی ہر چھوٹی بڑی چیز پر سے کسی فرد واحد، خاندان یا ادارہ کی مطلق ملکیت اور اجارہ داری ختم ہو جاتی ہے انسان یہ مان کر زندگی گزارنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ اس کے پاس جو کچھ ہے وہ اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ ہے۔ اصل مالک وہی ہے۔ وہ اس کے استعمال میں اس کی مرضی اور اس کے احکام کا پابند ہے۔ اس میں آزادانہ تصرف اس کے لیے ناجائز ہے یہاں جو شخص جس حیثیت میں ہے اسی حیثیت میں اس کا امتحان ہو رہا ہے۔

وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ	وہی ہے جس نے تمھیں زمین میں
خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ	خلیفہ بنایا اور تم میں سے بعض کے مقابلہ

فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ	میں بعض کے درجات بلند کیے تاکہ تم کو
فِيْ مَآ اٰتٰكُمْ ۚ اِنَّ رَبَّكَ	ان چیزوں میں آزمائے جو اس نے تمہیں
سَرِيْعُ الْعِقَابِ ۖ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ	عطا کی ہیں۔ بے شک تمہارا رب جلد
رَّحِيْمٌ	سزا دینے والا ہے اور بے شک وہ
(الانعام: ۱۶۵)	غفور و رحیم ہے۔
اَلَّذِيْ خَلَقَ الْمَوْتَ	وہ جس نے موت وحیات کو پیدا
وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ	کیا تاکہ تمہاری آزمائش کرے کہ تم میں
اَحْسَنُ عَمَلًا ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ	کون زیادہ اچھے عمل کرتا ہے اور وہ
الْغَفُوْرُ ۝ (ملک: ۲)	زبردست ہے اور بخشنے والا ہے۔

۲۔ اس دنیا میں ہر طرف اللہ تعالیٰ کی مشیت کارفرما ہے، یہاں جو انسان بھی پیدا ہوتا ہے اسی کی مشیت سے پیدا ہوتا ہے، وہ اس کے لیے کم یا زیادہ جتنی حیاتِ مستعار چاہتا ہے عطا کرتا ہے پھر اسی کے فیصلے کے تحت انسان یہاں سے اٹھالیا جاتا ہے اور اس کا سفرِ آخرت شروع ہو جاتا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ	اے لوگو! اگر تم کو بعث بعد الموت
فِيْ رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَاِنَّا	کے بارے میں شک ہے (تو دیکھو)
خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ	کہ ہم نے تم کو مٹی سے پیدا کیا، پھر نطفہ
مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ	سے پھر لوتھڑے سے پھر مضغۂ گوشت
ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَّغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ	سے جس کا نقشہ مکمل اور نامکمل ہوتا ہے
لِّنُبَيِّنَ لَكُمْ ۚ وَنُقِرُّ فِي	تاکہ اپنی قدرت تم پر واضح کر دیں اور ہم
الْاَرْحَامِ مَا نَشَآءُ اِلٰٓى	تم کو ماؤں کی رحموں میں جب تک چاہتے
اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ	ہیں ایک وقت خاص تک رکھتے ہیں
طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْٓا	پھر ہم تم کو حالت طفلی میں نکالتے ہیں
اَشُدَّكُمْ ۚ وَمِنْكُمْ	پھر جوانی کی عمر تک لے جاتے ہیں تاکہ
مَّنْ يُّتَوَفّٰى وَمِنْكُمْ	تم جوانی کے زور اور قوت تک پہونچو۔
مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ	تم میں سے کسی پر موت آجاتی ہے اور

لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْۢ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْـًٔا ؕ	کوئی ارزل عمر کو لوٹا دیا جاتا ہے تاکہ جاننے کے بعد کچھ نہ جاننے کی حالت
(حج: ۵)	کو پہونچ جائے ۔

یہی حقیقت سورہ غافر میں ان الفاظ میں بیان کی گئی ہے :

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ يُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْۤا اَشُدَّكُمْ ثُمَّ لِتَكُوْنُوْا شُيُوْخًا ۚ وَ مِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى مِنْ قَبْلُ وَ لِتَبْلُغُوْۤا اَجَلًا مُّسَمًّى وَّ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ○	وہی ہے جس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا، پھر نطفہ سے پھر خون کے لوتھڑے سے پھر وہ تم کو بچہ کی حالت میں نکالتا ہے پھر مہلت دیتا ہے کہ تم (اپنی جوانی کے) زور کو پہنچ جاؤ۔ پھر تم بوڑھے ہو جاؤ۔ تم میں سے کوئی اس سے پہلے ہی وفات پا جاتا ہے اور یہ اس لیے کہ تم ایک مقررہ وقت تک پہونچو اور
(غافر: ۶۷)	شاید تم غور وفکر کرو۔

۲ ۔ اللہ تعالیٰ نے یہ وسیع کائنات انسان کے لیے انتہائی موزوں بنائی ہے اس میں اس کی حیات دنیا کا بہترین ساز و سامان ہے۔ بحر و بر اس کے لیے مسخر کر دیے گئے ہیں ۔ زمین اس کے لیے مستقر ہے وہ اس طرح بنائی گئی ہے کہ اس پر رہ سکے اور زندگی گزار سکے ، وہ یہاں کی ہوا اور پانی سے، سورج کی گرمی اور چاندنی کی ٹھنڈک سے، شب و روز کی گردش سے، سمندر کی گہرائی اور دریا کی روانی سے فائدہ اٹھا سکتا ہے اور اسے اپنے لیے استعمال کر سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے حق دیا ہے کہ وہ بہ حیثیت انسان بغیر کسی روک ٹوک کے اس کی ان نعمتوں سے فائدہ اٹھائے ۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ وَ سَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِیَ فِی الْبَحْرِ	اللہ وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور آسمان سے پانی اتارا اور اس کے ذریعہ تمہارے لیے پھلوں کا رزق نکالا اور تمہارے لیے کشتیوں کو مسخر کیا تاکہ سمندر میں اس کے

بِاَمْرِهٖ ج وَسَخَّرَ لَكُمُ الْاَنْهٰرَ ۝
وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَ
الْقَمَرَ دَآئِبَيْنِ ج وَسَخَّرَ
لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۝ وَاٰتٰكُمْ
مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ ط وَاِنْ
تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا
اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ ۝
(ابراہیم: ۳۲-۳۴)

حکم سے چلیں اور تمہارے لیے نہریں
مسخر کیں اور تمہارے لیے سورج اور
چاند کو مسخر کیا جو ہمیشہ گردش میں اور تمہارے
لیے رات اور دن کو مسخر کیا اور تمہیں
وہ سب چیزیں دیں جو تم نے (تمہاری
فطرت نے) طلب کیں۔ اگر تم اللہ کی
نعمتوں کو شمار کرو تو شمار نہیں کر سکتے۔
بے شک انسان بڑا ظالم اور بڑا ناشکرا ہے۔

اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ
لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا
فِي الْاَرْضِ وَاَسْبَغَ عَلَيْكُمْ
نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّ بَاطِنَةً ط
وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ
فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى
وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ ۝
(لقمان: ۲۰)

کیا تم نے دیکھا نہیں کہ اللہ نے
تمہارے لیے وہ ساری چیزیں مسخر
کر دیں (خدمت میں لگا دیں) جو آسمانوں
میں اور جو زمین میں ہیں اور تم پر اپنی ظاہری
اور باطنی نعمتیں پوری کر دیں۔ لوگوں
میں سے بعض وہ ہیں جو اللہ کے بارے
میں بغیر علم، بغیر ہدایت اور بغیر روشن
کتاب کے جھگڑا کرتے ہیں۔

یہ اللہ کا دیا ہوا حق ہے اس کی ان نعمتوں کو کوئی اس سے سلب نہیں کر سکتا، اگر سلب کرتا ہے تو بدترین ظلم کا ارتکاب کرتا ہے اور اپنے حدود سے تجاوز کرتا ہے۔

۴۔ انسان خدائے واحد کا بندہ ہے۔ اسی کی بندگی اور اطاعت اسے کرنی چاہیے۔ وہ یہاں کسی کا غلام نہیں ہے، لہٰذا اس کا حق ہے کہ وہ ہر غلامی سے آزاد ہو اور فی الواقع اسے آزاد ہونا بھی چاہیے۔ کسی فرد بشر کو اس کا حق نہیں ہے کہ وہ دوسرے کسی فرد کو اپنا غلام بنائے اور اپنی بندگی پر اسے مجبور کرے۔ فرعون نے بنی اسرائیل کے ساتھ یہی کیا تھا۔ اس نے ان کو اپنا غلام بنا رکھا تھا۔ حضرت موسیٰ نے اس کے خلاف آواز بلند کی اور اس سے کہا کہ وہ خدا کے رسول ہیں اور خدا

کی عبادت کی دعوت دے رہے ہیں۔ ان کی دعوت کا ایک پہلو یہ بھی تھا کہ بنی اسرائیل کو جس عذاب میں اس نے ڈال رکھا ہے اس سے باز آجائے اور مصر سے نکل جانے دے۔ اس کے جواب میں فرعون نے اپنے ان احسانات کا ذکر کیا ہے جو اس نے حضرت موسیٰؑ پر ان کے ابتدائی دور میں کئے تھے۔ اس پر موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

وَتِلْكَ نِعْمَةٌ تَمُنُّهَا عَلَيَّ	اور کیا یہ وہ احسان ہے جو تو مجھ پر
اَنْ عَبَّدْتَّ بَنِيْ اِسْرَآءِيْلَ ۝	جتا رہا ہے کہ تو نے بنی اسرائیلؑ کو غلام
(شعرا: ۲۲)	بنا لیا ہے۔

مطلب یہ کہ کسی فرد واحد کے ساتھ ہمدردی اور انسانیت کا برتاؤ اس امر کا جواز نہیں فراہم کرتا کہ اس کی پوری قوم کو جبر کے شکنجہ میں کس لیا جائے اور غلامی کی زندگی پر اسے مجبور کیا جائے۔ اس کی آزادی کا حق اپنی جگہ قائم ہے اور قائم رہے گا۔ مجھ پر جس احسان کا تو ذکر کر رہا ہے اس کی اصل وجہ بھی یہی تھی کہ اس غلام قوم کی نسل کشی کی جو تدبیر تو کر رہا تھا، اس سے میں محفوظ رہا اور تو سمجھ نہ سکا کہ میں بھی اسی قوم کی اولاد ہوں۔

حضرت موسیٰؑ کی دعوت اور بنی اسرائیل کی آزادی کے مطالبہ کو فرعون نے حقارت کے ساتھ ٹھکرا دیا۔ اس نے کہا موسیٰ (اور ان کے بھائی ہارون) کا تعلق تو ہماری غلام قوم سے ہے۔ انھیں ہم کیسے اللہ تعالیٰ کا رسول اور اپنا راہنما مان سکتے ہیں؟ فرعون اور اس کی قوم کا نسلی غرور اللہ تعالیٰ کی ہدایت قبول کرنے کی راہ میں مانع ہوا اور وہ غرق دریائے نیل کر دئے گئے۔

فَقَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ	انھوں نے کہا کہ کیا ہم اپنے جیسے
مِثْلِنَا وَقَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ ۝	دو آدمیوں (حضرت موسیٰؑ اور حضرت
فَكَذَّبُوْهُمَا فَكَانُوْا مِنَ	ہارونؑ) پر ایمان لے آئیں جب کہ ان
الْمُهْلَكِيْنَ ۝	کی قوم ہماری ماتحت اور تابعدار ہے
	پس ان لوگوں نے ان دونوں کی تکذیب
(المؤمنون: ۴۷، ۴۸)	کی اور ان قوموں میں شامل ہو گئے جو
	ہلاک کر دی گئیں۔

۵۔ سیاسی غلامی کے ساتھ مذہبی غلامی کا بھی اسلام مخالف ہے۔ اس نے پروہتوں اور پجاریوں کے مذہبی ادارہ کو ختم کیا اور یہ بتایا کہ انسان خدا سے اس کے پیغمبروں کی ہدایت کے تحت براہِ راست تعلق قائم کرسکتا ہے، اسے یاد کرسکتا ہے، اس کی عبادت کرسکتا ہے، اس کے لیے نذر و نیاز اور قربانی پیش کرسکتا ہے، مشکلات میں اس کی طرف رجوع کرسکتا ہے، اس سے دعائیں کرسکتا ہے اس کے لیے کسی واسطہ کی ضرورت نہیں ہے۔

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِىْ
عَنِّىْ فَاِنِّىْ قَرِيْبٌ اُجِيْبُ
دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ
فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِىْ وَلْيُؤْمِنُوْا
بِىْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ ٥

(بقرۃ : ١٨٦)

جب تم سے میرے بندے
میرے متعلق سوال کریں تو بتا دو کہ
میں قریب ہوں۔ دعا کرنے والا جب
دعا کرتا ہے تو میں اسے قبول کرتا ہوں
پس ان کو بھی میرا حکم ماننا چاہیے اور
مجھ پر ایمان لانا چاہیے۔ اس سے امید
ہے کہ وہ ہدایت پائیں گے۔

اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ
وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ
اَوْلِيَاۗءَ ۘ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا
لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى
اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ
فِيْ مَا هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ
اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ
هُوَ كٰذِبٌ كَفَّارٌ ٥

(زمر : ٣)

سن لو! اللہ ہی کے لیے ہے بندگی
جو خالص ہو۔ جن لوگوں نے اسے
چھوڑ کر حامی بنا رکھے ہیں ان کے
بارے میں وہ کہتے ہیں کہ ہم تو ان کی
پرستش اس لیے کرتے ہیں تاکہ وہ
ہمیں خدا سے قریب کر دیں۔ بے شک
اللہ فیصلہ کرے گا ان کے درمیان ان
امور میں جن میں وہ اختلاف کرتے
ہیں۔ اللہ کسی ایسے شخص کو ہدایت نہیں
دیتا جو جھوٹا اور حق کو نہ ماننے والا ہو۔

اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ انسان کو سیاسی اور مذہبی کسی بھی حیثیت سے محکوم بنانا قطعاً ناجائز ہے، اس کا حق ہے کہ اسے آزادی کی نعمت ملے۔

۶۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی دوسری بے شمار مخلوقات پر شرف و فضیلت عطا کی ہے۔

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيٓ اٰدَمَ وَ	ہم نے بنو آدم کو عزت دی اور خشکی
حَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ	اور تری کے لیے ان کو سواری دی
وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ	اور ان کے کھانے کے لیے پاک چیزیں
وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ	عطا کیں اور اپنی مخلوقات میں سے بیشتر
خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا ۝ (اسراء: ۷۰)	پر ان کو فضیلت عطا کی۔

انسان کو دوسری مخلوقات پر جو شرف و فضیلت حاصل ہے، اس کے بعض پہلوؤں کا خود قرآن مجید نے صراحتاً ذکر کیا ہے اور بعض کی طرف اشارات کیے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو بہترین خلقت عطا کی ہے وہ اپنی جسمانی ساخت، شکل و صورت، قد و قامت، اعضاء و جوارح کے تناسب اور ظاہری ہیئت کے لحاظ سے دنیا کی حسین ترین مخلوق ہے۔

سورۂ 'تین' میں ارشاد ہے:

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ	ہم نے انسان کو بہت خوبصورت
فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ (تین: ۴)	طریقہ سے پیدا کیا ہے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے۔

وَصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ	اس نے تمہاری صورت گری کی اور تمہیں
(التغابن: ۳)	بہت اچھی شکل و صورت عطا کی۔

ایک اور موقع پر فرمایا:۔

اَلَّذِيْ خَلَقَكَ فَسَوّٰكَ	وہ خدا جس نے تجھے پیدا کیا تیرے
فَعَدَلَكَ ۝ فِيْٓ اَيِّ صُوْرَةٍ	اعضاء و جوارح کو ٹھیک کیا۔ ان میں
مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ ۝	توازن اور اعتدال رکھا اور جس صورت
(انفطار: ۷-۸)	میں چاہا تجھے جوڑ دیا۔

وہ حیوان ناطق ہے، اس کو قوتِ گویائی عطا کی گئی ہے، وہ بولنے کی صلاحیت رکھتا ہے اور اپنی زبان کے ذریعہ اپنا مافی الضمیر ادا کر سکتا ہے۔

خَلَقَ الْاِنْسَانَ عَلَّمَهُ الْبَیَانَ ○ (رحمٰن: ۴-۳)
اس نے انسان کو پیدا کیا اور اسے گویائی سکھائی۔

قلم کے ذریعہ بھی وہ اپنے خیالات کا اظہار کرسکتا ہے۔

اَلَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ (علق: ۴)
جس نے انسان کو قلم کے ذریعہ تعلیم دی۔

یہ امتیاز کسی جانور کو حاصل نہیں ہے کہ وہ زبان و قلم کا مالک ہو اور ان کے ذریعہ اپنے خیالات دوسروں تک منتقل کرسکے۔ یہ چیز انسان سے چھن جائے تو وہ جانور کی سطح پر آجاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اسے اچھے جسم کے ساتھ دل و دماغ بھی عطا کیا ہے۔

وَجَعَلَ لَکُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـئِدَۃَ قَلِیْلًا مَّا تَشْکُرُوْنَ ○ (سجدہ: ۹)
اس نے تمہیں کان، آنکھ اور دل عطا کیے لیکن تم بہت کم اس کا شکر ادا کرتے ہو۔

وَاللّٰہُ اَخْرَجَکُمْ مِّنْ بُطُوْنِ اُمَّھٰتِکُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَیْئًا ۙ وَّجَعَلَ لَکُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـئِدَۃَ ۙ لَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ ○ (نحل: ۷۸)
اللہ نے تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹوں سے نکالا کہ تم کوئی چیز نہیں جانتے تھے۔ (پھر) اس نے تمہیں کان، آنکھیں اور دل عطا کیے (جن کے ذریعہ تم بہت سی چیزوں کو جاننے لگے) تاکہ تم اس کے شکر گزار ہو۔

وہ سوچنے، سمجھنے اور غور و فکر کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے، وہ واقعات سے نتائج اخذ کرتا اور نت نئے تجربات کرتا ہے۔ جدید سے جدید تر صنعت و حرفت اس کی مرہون منت ہے۔ حیرت انگیز ایجادات و اختراعات اس کے ذریعہ جنم لیتے ہیں اور وہ اپنے لیے نئے نئے وسائل حیات تلاش کرتا رہتا ہے۔ اس طرح مادی ترقی اور خوش حالی کی طرف اس کی پیش رفت ہوتی رہتی ہے۔

عقل کے ذریعہ انسان برے بھلے کے درمیان فرق کرتا ہے، اعمال کے حسن و قبح اور درست و نادرست کا فیصلہ کرتا ہے، معاملات میں اپنی رائے قائم کرتا اور

اپنی مرضی سے کسی ایک پہلو کو اختیار کرتا ہے یہی خوبی انسان کو ایک ذمہ دار فرد بناتی ہے

انسان کی شرف و منزلت کا ایک پہلو یہ بیان ہوا ہے کہ اس کے لیے صاف ستھری اور پاکیزہ غذا رکھی گئی ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ گندی اور ناپاک غذائیں اس کی فطرت سے میل نہیں کھاتیں اور وہ اس کے لیے مضر صحت اور نقصان دہ ہیں، جن غذائی اشیاء کو وہ ان کی اصل حالت میں استعمال کرتا ہے وہ بھی صاف ستھری ہونی چاہئیں اور جن چیزوں کو وہ اپنی اصل حالت میں استعمال نہیں کرتا اور پخت و پز کے ذریعہ انھیں مناسب حال خوش ذائقہ اور ہضم کے قابل بنا کر استعمال کرتا ہے انھیں بھی گندگی سے پاک صاف ہونا چاہئے۔

یہ انسان کی عزت و تکریم کے بعض پہلو ہیں۔ ان کی خلاف ورزی اس عزت و تکریم کے منافی ہے جو اللہ تعالیٰ نے اسے عطا کی ہے، اس کے ساتھ ایسا رویہ اختیار کرنا سراسر ظلم ہوگا جس کی وجہ سے اس کا مقام انسان کی سطح سے گر کر جانور کی سطح تک پہونچ جائے، اسلام ہر اس چیز کا مخالف ہے جو احترام آدمیت کے خلاف ہے۔ فقر و فاقہ، غذا کی کمی یا ناپاک اور گندی غذاؤں کے استعمال پر اس کا مجبور ہونا، غیر معمولی اور ناقابل برداشت محنت و مشققت کا بوجھ اس پر ڈالنا، اس کے لیے طبی سہولیات کا نہ ہونا، یا ایسی سزائیں دینا جس سے اس کا جسم اپنی فطری ساخت کھو بیٹھے، یہ سب اس کے خلقی حسن کو بگاڑنے کے ہم معنی ہے۔ اسلام اس غیر انسانی روش کی کسی حالت میں اجازت نہیں دیتا، اسی طرح انسان کو علم کی روشنی سے محروم رکھنا، ایسا رویہ اختیار کرنا جس سے اس کی فکر کو بالیدگی نہ مل سکے اور اس کی دماغی اور فکری صلاحیتیں منجمد ہو کر رہ جائیں ناروا ہوگا۔ یہ سب انسان کی تکریم کے لازمی تقاضے ہیں۔ اسلام ان سب کی بحسن و خوبی تکمیل چاہتا ہے۔

انسان اجتماعیت پسند ہے، سب سے کٹ کر الگ تھلگ زندگی گزارنا اس کی فطرت کے خلاف ہے۔ وہ سماج کا ایک حصہ بن کر رہنا چاہتا ہے۔ سماج اس کی بنیادی ضرورت بھی ہے، اس کی ضروریاتِ زندگی اسے سماجی زندگی گزارنے پر مجبور کرتی ہیں، وہ دوسروں کے تعاون ہی سے اپنی ضروریات پوری

کرسکتا ہے، سماج کے ایک فرد کی حیثیت سے وہ کچھ حقوق رکھتا ہے اور اس پر کچھ ذمہ داریاں بھی عائد ہوتی ہیں۔ اس کے ان حقوق کو ادا کرنا کسی بھی مہذب سماج کے لیے لازم ہے، اور جو ذمہ داریاں سماج کی طرف سے اس پر عائد ہوتی ہیں اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ انھیں پوری کرے۔ یہ حقوق اور ذمہ داریاں فرد پر بھی عائد ہوتی ہیں۔ خاندان، سماج اور قبیلہ کا بھی اس میں حصہ ہے اور ریاست کو بھی اس میں اپنا کردار ادا کرنا لازمی ہے۔

ان حقوق اور ذمہ داریوں کا تعین کون کرے گا؟ کیا فرد خود سے اس کا تعین کرے گا یا کسی دوسرے فرد کو اس کا حق حاصل ہوگا یا معاشرہ کی روایات سے اس کا تعین ہوگا یا ریاست اس کا فیصلہ کرے گی یا ان میں سے ہر ایک کا دائرہ الگ الگ ہے اور سب مل کر اس کا فیصلہ کریں گے؟ اسلام اس کا جواب یہ دیتا ہے کہ اس کے تعین کا حق صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔ وہی قانون ساز ہے قانون دینے کا حق اسی کو حاصل ہے، وہی ہر ایک کا حق بھی متعین کرتا ہے اور ذمہ داریاں بھی واضح کرتا ہے۔ فرد، سماج اور ریاست سب اس کے پابند ہیں۔ قانون سازی کا حق اس نے نہ کسی فرد کو دیا ہے، نہ کسی مذہبی شخصیت اور ادارہ کو اور نہ معاشرہ اور ریاست کو۔ بعض اوقات اسے مذہبی تقدس کا درجہ دے دیا جاتا ہے۔ اسلام نے اسے غلط اور باطل قرار دیا۔

اہل عرب نے خود سے چیزوں کو حلال یا حرام قرار دے کر اسے خدا کے قانون کی حیثیت دے رکھی تھی۔ ان سے کہا گیا کہ یہ صرف اللہ کا اختیار ہے کہ وہ کسی چیز کی حرمت یا حلّت کا فیصلہ کرے۔ کسی کا خود سے یہ کام کرنا اور کرکے اسے اللہ کی طرف منسوب کرنا افترا پردازی ہے۔ اس کے مرتکب دنیا اور آخرت میں فلاح نہیں پائیں گے۔

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ	تمہاری زبانیں جو جھوٹ بولتی ہیں
اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا	اس کی بنا پر یہ نہ کہو کہ یہ حلال اور یہ حرام
حَلٰلٌ وَّ هٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا	ہے۔ اس طرح تم اللہ پر جھوٹی تہمت
عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ	لگاؤ گے۔ جو لوگ اللہ پر جھوٹی افترا پردازی

يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ	کرتے ہیں وہ کامیاب نہیں ہوں گے۔

(نحل: ۱۱٦)

یہود و نصاریٰ نے اپنے علماء، فقہاء اور مشائخ کو مطلق قانون سازی کا حق دے رکھا تھا۔ وہ جواز و عدم جواز کے آزادانہ فیصلہ کرتے۔ وہ جس چیز کو جائز کہتے وہ جائز ہو جاتی اور جس چیز کے ناجائز ہونے کا فرمان صادر کرتے وہ ناجائز ہو جاتی۔ قرآن نے اس پر سخت گرفت کی اور کہا کہ کسی عالم، فقیہ یا فقیر اور درویش کو اس کا حق نہیں ہے کہ وہ شارع اور قانون ساز بن بیٹھے۔ یہ کام صرف اللہ کا ہے کہ وہ اپنے بندوں کو شریعت اور قانون عطا کرے۔

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ	انھوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے
وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ	احبار اور رہبان کو رب بنالیا اور
دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ	مسیح ابن مریم کو بھی حالانکہ ان کو حکم
مَرْيَمَ ۚ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا	دیا گیا کہ وہ الٰہ واحد کی عبادت کریں۔
لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا	اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ پاک
لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا	ہے اس کی ذات شرک سے جس
يُشْرِكُوْنَ ○ (توبہ: ۳۱)	کا وہ ارتکاب کر رہے ہیں۔

اہل کتاب کو توریت عطا کی گئی اور یہ ہدایت کی گئی کہ اس کی روشنی میں زندگی گزاریں اور اپنے معاملات کے فیصلے کریں۔ اس کے ابتدائی حاملین کا اس پر عمل تھا۔ انھوں نے اس کی پوری پابندی کی اور دنیا کے سامنے اس کے گواہ اور شاہد بن کر رہے۔ لیکن جب بگاڑ آیا تو خدا کی کتاب پیچھے چلی گئی اور اس سے آزاد فتووں اور فیصلوں نے کتاب اللہ کی حیثیت اختیار کر لی۔ اسی سے ان کے کفر و ضلالت اور تباہی کا آغاز ہوا۔

اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا	ہم نے توریت نازل کی، اس
هُدًى وَّنُوْرٌ ۚ يَحْكُمُ بِهَا	میں ہدایت اور نور ہے۔ اسی کے
النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا	مطابق انبیاء، جو اللہ کے فرماں بردار
لِلَّذِيْنَ هَادُوْا وَالرَّبّٰنِيُّوْنَ	تھے اور ان کے درویش اور عالم یہود

وَالْاَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوْا	کے معاملات کے فیصلے کرتے تھے۔
مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ وَكَانُوْا	اس لیے کہ ان سے اللہ کی کتاب
عَلَيْهِ شُهَدَآءَ ۚ فَلَا	کی حفاظت کا مطالبہ کیا گیا تھا اور
تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ	وہ اس کی گواہی دینے والے بنائے
وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِىْ ثَمَنًا	گئے تھے۔ پس تم لوگوں سے مت ڈرو
قَلِيْلًا ۗ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ	اور مجھ سے ڈرو اور میری آیات کے
بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ	ذریعہ ثمنِ قلیل نہ خریدو۔ جو لوگ ان
هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ۝	احکام کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے
(مائدہ: ۴۴)	جو اللہ نے نازل کیے ہیں وہی ظالم ہیں۔

اس چیز نے کسی بھی فرد یا ادارہ کی مطلق بالادستی اور بے قید فرماں روائی کے تصور کو ختم کر دیا۔ اس نے کسی کو یہ حق ہی نہیں دیا کہ وہ دوسروں کے حقوق کا تعین کرے اور ان کی ذمہ داریاں بتائے، انسان خود بھی اپنے حقوق اور ذمہ داری کے تعین کا مجاز نہیں ہے۔ اس معاملہ میں ہر ایک کو خدا کے دیئے ہوئے قانون کی طرف رجوع کرنا ہوگا۔

یہاں اس قانون سازی کا ذکر نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ کے قائم کردہ حدود میں رہ کر ہوتی ہے۔ اس کی اجازت خود اس نے دی ہے۔ اسی کو تفقہ اور اجتہاد کہا جاتا ہے۔ اس کا دائرہ بہت وسیع ہے اور یہ کسی زندہ اور ابدی شریعت کے لیے ناگزیر ہے۔ اس کے بغیر وہ تغیر پذیر زندگی کا ساتھ نہیں دے سکتی۔

انسانوں کے درمیان رنگ و نسل، زبان، خطۂ ارض، جنس، عہدہ اور منصب اور صنعت و حرفت وغیرہ کا فرق پایا جاتا ہے، لیکن اسی فرق کو انسان نے اپنی نادانی سے یہی نہیں کہ حقیقی فرق سمجھ لیا بلکہ اسے بلندی و پستی کا معیار بھی قرار دے دیا، کبھی اس نے سفید فام کو سیاہ فام سے اونچا قرار دیا، کبھی کسی خاص نسل کی دوسری نسلوں سے برتری کا تصور اس پر چھایا رہا، کبھی کسی زبان کے بولنے والوں کو دوسری زبان والوں سے برتر

سمجھ بیٹھا، کبھی نوعی اور صنفی فرق اس کے نزدیک وجہِ تفوق بن گیا اور عورت پر مرد کی برتری ناقابلِ نزاع بنی رہی، آج بھی مساوات کے ہزار دعوؤں کے باوجود یہ فرق باقی ہے۔ اسلام نے انسانوں کے درمیان فرق و امتیاز کے اس تصور پر کاری ضرب لگائی اور اس حقیقت کو اجاگر کیا کہ انسانوں کے درمیان فرق و اختلاف دراصل باہم تعارف کا ذریعہ ہے۔ حقیقی فرق نہیں ہے، یہ فرق اس لیے ہے تاکہ معلوم ہو کس فرد کا کس سرزمین اور کس ملک سے تعلق ہے؟ وہ کون سی زبان بولتا ہے اور اس کی جنس کیا ہے؟ یہ تعارف اصلاً ایک دوسرے کو جاننے اور پہچاننے کا ذریعہ ہے۔ اگر سب کے رنگ روپ، شکل و صورت قد و قامت، زبان اور بولی ایک ہوتی تو انھیں پہچانا نہ جاتا، انسانوں کے درمیان یہ تنوع قدرت کی نشانی ہے کہ اس نے اس تنوع اور رنگارنگی کے اندر نوعِ انسانی کی وحدت باقی رکھی ہے۔ یہ کثرت میں وحدت کی دلیل ہے۔ اختلاف و انتشار کی دلیل نہیں ہے۔

یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا	اے لوگو، ہم نے تم کو ایک
خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ	مرد اور عورت سے پیدا کیا اور تمہیں
وَّ اُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ	قوموں اور قبیلوں میں کر دیا تاکہ تم
شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا	ایک دوسرے کو پہچانو۔ بے شک
اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ	تم میں سب سے بزرگ اللہ تعالیٰ
اَتْقٰىكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ	کے نزدیک وہ ہے جو تم سب سے زیادہ
عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ○	اس سے ڈرتا ہے۔ یقیناً اللہ علیم و
(الحجرات: ۱۳)	خبیر ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے بعد جو خطبہ دیا اس میں قومی اور نسلی برتری کے احساسات کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا اور بتایا کہ آدم کی اولاد سب ایک حیثیت کی مالک ہے، ہاں تقویٰ، خداترسی اور رفعتِ کردار سے انسان عزت و سربلندی کے مقامِ رفیع تک پہونچتا ہے اور وہ دوسروں کے قابلِ احترام ٹھہرتا ہے۔

یا ایھا الناس الاان	اے لوگو! سن لو! بے شک تمہارا رب
ربکم واحد وان	ایک ہے اور تمہارا باپ (بھی) ایک
أباکم واحد الا لا	ہے۔ سن لو کسی عربی کو کسی عجمی پر،
فضل لعربی علی عجمی	کسی عجمی کو کسی عربی پر، کسی سفید کو
ولا لعجمی علی عربی	کسی سیاہ پر اور کسی سیاہ کو سفید پر کوئی
ولا لأحمر علی اسود ولا	فضیلت نہیں ہے سوائے تقویٰ کے
لأسود علی احمر الا	(جس کے اندر جتنا تقویٰ ہوگا اتنا ہی
بالتقوی [1]	وہ صاحبِ فضیلت ہوگا)

یہ انسان کی مساوات کا واضح ڈیکلریشن تھا کہ کسی بھی فرد کو چاہے اس کا تعلق کسی بھی نسل و قوم سے ہو کسی دوسری رنگ و نسل اور قوم کے فرد پر کوئی فضیلت نہیں ہے۔ یہاں برتری کا معیار تقویٰ ہے۔ جو جتنا خدا ترس ہے وہ اتنا ہی عزت و احترام کا مستحق ہے[2]

انسانوں کے درمیان فرق و امتیاز اور ان پر ظلم و زیادتی خدا کی آتشِ غضب کو بھڑکاتی ہے اور جس قوم کو یہ مرض لگ جائے وہ بالآخر تباہ ہو جاتی ہے۔ فرعون اور اس کی قوم نسلی تعصب اور احساسِ برتری میں مبتلا تھی اور وہ بنی اسرائیل کو اپنے مساوی حیثیت دینے کے لیے تیار نہ تھی، اس نے انھیں غلام بنائے رکھا تھا اور انھیں محض خدمت گار کی حیثیت سے دیکھتی تھی۔ نسل کشی کے ذریعہ ان کی افرادی قوت گھٹانے اور انھیں کمزور کرنے کی مسلسل تدبیریں کر رہی تھی اور ان کے ابھرنے کے تمام مواقع اس نے مسدود کر رکھے تھے۔ کسی قوم کے ایک طبقہ کو اس طرح دبانا اور کچلنا سنگین جرم تھا۔ قرآن مجید نے اس ظلم کو جگہ جگہ نمایاں کیا اور بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرعون کی اس روش کے مقابلہ میں بنو اسرائیل جیسی کمزور قوم کو اوپر اٹھایا اور فرعون اور اس کی قوم اپنے انجامِ بد کو

---

[1] مسند احمد ۵/۴۱۱

[2] مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو راقم کا رسالہ 'وحدتِ بنی آدم اور اسلام'۔

پہونچ کر رہی۔

اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِی الْاَرْضِ وَجَعَلَ اَهْلَهَا شِيَعًا يَّسْتَضْعِفُ طَائِفَةً مِّنْهُمْ يُذَبِّحُ اَبْنَآءَهُمْ وَيَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ ۚ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ○ وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِی الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوَارِثِيْنَ ○ وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِی الْاَرْضِ وَنُرِیَ فِرْعَوْنَ وَ هَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَحْذَرُوْنَ ○ (قصص: ۴-۶)	بے شک فرعون نے ارضِ مصر میں سرکشی کی راہ اختیار کی اور وہاں کے باشندوں کو فرقوں میں تقسیم کر دیا، ان میں سے ایک فرقہ (بنی اسرائیل) کو کمزور بنائے رکھا۔ ان کے بیٹوں کو ذبح کر دیتا اور ان کی عورتوں کو زندہ رکھتا۔ بے شک وہ فساد کرنے والوں میں سے تھا۔ ہم ان لوگوں پر احسان کرنا چاہتے تھے جو زمین میں کمزور بنا کر رکھے گئے تھے۔ ان کو امام بنانا چاہتے تھے اور ان کو زمین میں اقتدار دینا چاہتے تھے اور فرعون، ہامان اور ان کے لشکروں کو ان کے ذریعہ وہی کچھ دکھانا چاہتے تھے جس سے وہ ڈر رہے تھے۔

عدل و احسان کا تصوّر

انسانوں کے درمیان مساوات کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ سب کے ساتھ عدل و انصاف ہو، کوئی بھی شخص ظلم و زیادتی کا ہدف نہ بننے پائے، اسلامی تعلیمات جن اساسات پر قائم ہیں ان میں سے ایک اساس عدل و انصاف ہے۔ اسلام نے عدل و انصاف کا تصور ابھارا اور اسے ایک زندہ اور فعّال تصور بنایا، اس نے کہا کہ یہ دنیا عدل پر قائم ہے، انسان کی زندگی بھی عدل ہی کی بنیاد پر درست ہو سکتی ہے، اس لیے اسے عدل کا پابند ہونا چاہیے، انسان کی تگ و تاز جب تک ظلم کی راہ پر ہے، معاشرہ بے چینی اور اضطراب سے دوچار اور سکون سے محروم رہے گا۔

اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ ۙ	سورج اور چاند کے لیے ایک
وَّالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدٰنِ ۙ	حساب ہے (کہ وہ اس کے مطابق
وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ	گردش میں ہیں) اور پودے اور درخت
الْمِيْزَانَ ۙ اَلَّا تَطْغَوْا	سجدہ کر رہے ہیں، اس نے آسمان
فِى الْمِيْزَانِ ۙ وَاَقِيْمُوا الْوَزْنَ	کو بلند کیا اور میزان رکھ دی کہ تم میزان
بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيْزَانَ ۙ	میں زیادتی نہ کرو۔ انصاف کے ساتھ
(رحمٰن: ۹-۵)	وزن کو قائم رکھو اور تولنے میں کمی نہ کرو۔

اللہ تعالیٰ کا پورا دین صدق و عدل پر قائم ہے۔

وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ	تمہارے رب کی بات پوری ہے
صِدْقًا وَّعَدْلًا ۙ (الانعام: ۱۱۵)	باعتبار صدق اور باعتبار عدل[1]

مطلب یہ ہے کہ اس کی تمام تعلیمات اور اس نے غیب کی جو حقیقتیں بیان کی ہیں وہ سب کی سب درست اور صحیح ہیں، ان کو غلط قرار دینے کی کوئی معقول بنیاد نہیں ہے اور اس نے جو احکام دیے ہیں وہ ہر طرح کے جور و ستم سے پاک اور سراسر عدل و انصاف پر مبنی ہیں۔

پیغمبروں کی بعثت کا ایک اہم مقصد عدل و قسط کا قیام ہے، اسلام اس کے لیے طاقت کے استعمال کو بھی غلط نہیں سمجھتا۔

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا	ہم نے اپنے رسول دلائل کے
بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ	ساتھ بھیجے اور ان کے ساتھ کتاب
الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ	اور میزان نازل کی تاکہ لوگ انصاف
النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ وَاَنْزَلْنَا	پر قائم رہیں اور ہم نے لوہا اتارا۔ اس
الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ	میں سخت لڑائی (کا سامان) ہے اور
وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ	لوگوں کے لیے بہت سے فائدے
اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ	بھی ہیں اور تاکہ اللہ دیکھے کہ بغیر دیکھے
بِالْغَيْبِ ۚ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ	کون اس کی اور اس کے رسولوں کی مدد

---

[1] قال البیضاوی صدقا فی الاخبار والمواعید وعدلا فی الأقضیۃ والاحکام (بیضاوی ۱/۳۱۸ طبع بیروت ۱۹۸۸ء)

عَزِیْزٌ ○	کرتا ہے۔ بے شک اللہ زور آور اور
(حدید: ۲۵)	زبردست ہے۔

اسلام جس معاشرہ کی تعمیر چاہتا ہے اس کا تصور عدل و انصاف کے بغیر نہیں کیا جا سکتا۔ اس کی ہدایت ہے کہ ظلم و زیادتی کی روش سے پوری طرح احتراز کیا جائے اور کسی بھی معاملہ میں اور کسی بھی حال میں قدم جادۂ اعتدال سے ہٹنے نہ پائے۔ اس نے عدل و انصاف کی ہدایت اور بغی و عدوان سے ممانعت ایک ساتھ کی ہے۔ یہ ایک ہی تصویر کے دو رخ ہیں۔ ارشاد ہے :۔

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ	اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے عدل کا
وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَآئِ ذِی	اور احسان کا اور قرابت داروں کو
الْقُرْبٰی وَیَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ	(ان کا حق) ادا کرنے کا اور منع
وَالْمُنْکَرِ وَالْبَغْیِ یَعِظُکُمْ	کرتا ہے بے حیائی سے، منکر سے
لَعَلَّکُمْ تَذَکَّرُوْنَ ○	اور زیادتی اور سرکشی سے۔ وہ تمہیں
(نحل: ۹۰)	نصیحت کرتا ہے شاید تم نصیحت حاصل کرو۔

دشمنوں کے ساتھ بھی عدل و انصاف کا معاملہ ہونا چاہیے :۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا	اے لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ
کُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ لِلّٰہِ شُھَدَآءَ	کے لیے کھڑے ہونے والے ہو جاؤ۔
بِالْقِسْطِ وَلَا یَجْرِمَنَّکُمْ	عدل و انصاف کے شاہد بن کر۔ کسی
شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓی اَلَّا تَعْدِلُوْا	قوم کی دشمنی تمہیں اس پر ہرگز آمادہ نہ
اِعْدِلُوْا ھُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی	کرے کہ تم عدل سے پھر جاؤ۔ عدل کرو
وَاتَّقُوا اللّٰہَ اِنَّ اللّٰہَ خَبِیْرٌ	یہ تقویٰ سے قریب تر ہے۔ اللہ سے
بِمَا تَعْمَلُوْنَ ○	ڈرتے رہو۔ بے شک اللہ جو کچھ تم کرتے
(مائدہ: ۸)	ہو اس سے باخبر ہے۔

اسلام کے نزدیک اقتدار اور حکومت قیام عدل کا ذریعہ ہے۔ جس شخص کے ہاتھ میں ریاست کی باگ ڈور ہے اس کی ذمہ داری دوسروں سے زیادہ ہے۔ وہ انصاف کو ہر حال میں قائم کرے گا اور ناانصافی سے اس کا دامن پاک ہوگا اسلامی

ریاست اپنے وسائل کو قیام عدل کے لیے استعمال کرے گی۔حضرت داؤدؑ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا گیا۔

یٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ	اے داؤد ہم نے تجھ کو زمین میں
خَلِيْفَةً فِى الْاَرْضِ فَاحْكُمْ	نائب بنایا ہے۔پس تم لوگوں کے
بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَ	درمیان حق و انصاف کے مطابق فیصلہ
لَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ	کروا ور اپنی خواہش کے پیچھے نہ چلو کہ
عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ	وہ تم کو اللہ کے راستہ سے بھٹکا دے گی
يَضِلُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ	بے شک جو لوگ اللہ کے راستہ سے
لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌۢ بِمَا	بھٹک جاتے ہیں ان کے لیے سخت
نَسُوْا يَوْمَ الْحِسَابِ ۝	عذاب ہے، اس لیے کہ انھوں
(ص: ۲۶)	نے یوم حساب کو فراموش کردیا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوا۔

وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ	اگر تم ان کے درمیان فیصلہ کرو
بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ	تو عدل و انصاف کے ساتھ فیصلہ
يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝	کرو۔ بے شک اللہ انصاف کرنے والوں
(مائدہ: ۴۲)	کو پسند کرتا ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ قیامت کے روز امام عادل ان لوگوں میں ہوگا جنھیں عرش الٰہی کے سایہ میں جگہ ملے گی جب کہ سوائے اس سایہ کے اور کوئی سایہ نہ ہوگا۔[1]

حضرت عبداللہ بن العاصؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

ان المقسطين عند الله	بے شک انصاف کرنے والے
على منابر من نور عن	اللہ تعالیٰ کے نزدیک نور کے منبروں

---

[1] متفق علیہ بحوالہ مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الصلوٰۃ، باب المساجد ومواضع الصلوٰۃ

یمین الرحمٰن وکلتا	پر جلوہ افروز ہوں گے جو رحمان کے
یدیہ یمین، الذین	سیدھے ہاتھ کی طرف ہوں گے حالانکہ
یعدلون فی حکمھم	اس کے دونوں ہی ہاتھ سیدھے ہیں.
واھلیھم وما ولوا[۱]	انصاف کرنے والے وہ جو اپنے
	فیصلوں میں، اہل وعیال کے معاملہ
	میں اور جن کے وہ والی اور نگراں بنائے
	جائیں ان کے سلسلہ میں انصاف کرتے ہیں.

عدل وانصاف سے متعلق اسلام کی یہ واضح ہدایات ہیں۔ ان پر صحیح معنی میں عمل درآمد ہو تو حق تلفی اور ظلم وزیادتی کی بیخ کنی ہو سکتی ہے اور ہر طرح کے استحصال سے پاک معاشرہ وجود میں آسکتا ہے۔ (باقی آئندہ)

---

[۱] مسلم (بحوالہ مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الامارۃ والقضاء)

ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی علی گڑھ کی اہم پیشکش

ISLAMIC CIVILIZATION IN ITS REAL PERSPECTIVE

تحریک اسلامی کے معروف عالم دین مولانا صدر الدین اصلاحی مدظلہ کی مایہ ناز تصنیف "معرکۂ اسلام وجاھلیت" کا انگریزی ترجمہ ہے۔ اسلام کی بصیرت افروز آگہی کے لیے جاہلیت سے واقفیت ضروری ہے۔ جاہلی عناصر کس طرح اسلامی تصورات میں اپنی جگہ بناتے ہیں۔ اسلام اور جاہلیت کے درمیان مسلسل کش مکش کا اندازہ کیا ہے۔ خالص اسلام سے وابستگی کے تقاضے ان امور سے واقفیت کے بغیر ممکن نہیں۔

مترجم ڈاکٹر اسرار احمد خاں نے انتہائی معیاری ودل کش اسلوب میں اسے انگریزی کا جامہ پہنایا ہے۔ • صفحات ۱۳۷ • قیمت =/۹۰ روپے

ملنے کے پتے:

۱۔ ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی۔ پان والی کوٹھی، دودھ پور علی گڑھ ۲۰۲۰۰۱

۲۔ مرکزی مکتبہ اسلامی۔ ۳۔ ۱۳۵۳ چتلی قبر، دہلی ۱۱۰۰۰۶

تحقیق وتنقید

امام طبری اور محدثین کرام

احادیث کا تقابلی مطالعہ

ڈاکٹر محمد یٰسین مظہر صدیقی ندوی

امام محمد بن جریر بن یزید طبری (سنہ ۲۲۴-۳۱۰ھ / ۸۳۹-۹۲۳ء) کی کتاب حدیث تہذیب الآثار مدتوں پردۂ خفا میں رہی جس کے نتیجہ میں ان کی علمیت حدیث بالعموم غیر معروف رہی تاہم ان کی عظیم الشان کتاب تفسیر کی بنا پر ان کو زمرۂ محدثین میں شمار کیا جانا چاہیے تھا مگر فنی تقسیم اور علمی حدبندی کے سبب ان کے تبحر حدیث پر بہت کم توجہ کی گئی۔ حالانکہ تفسیر طبری کو علماء ومفسرین کے درمیان تفسیر ماثور کی حیثیت حاصل ہے۔ یعنی ایسی تفسیر قرآن مجید جس کی بنیاد وقوام رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بابرکت احادیث، صحابہ کرام کے آثار اور تابعین وتبع تابعین کے قرآنی وحدیثی روح سے سرشار اقوال پر ہے۔ اب جب کہ ان کی کتاب حدیث کے کچھ اجزا مل گئے ہیں اور اہل علم وفضل کے درمیان متداول بھی ہو چکے ہیں یہ ان کا فرض ہو جاتا ہے کہ وہ امام طبری کی محدثانہ حیثیت پر کلام کریں اور زمرۂ محدثین عظام میں ان کے مقام ومرتبہ کا تعین کریں۔ اس مختصر مقالہ میں کوشش یہ کی گئی ہے کہ امام طبری کی محدثانہ حیثیت کی طرف اہل علم وفن کی توجہ مبذول کی جائے اور بطور مثال ان کی جمع وبحث کردہ احادیث نبوی کا ایک سرسری تقابلی مطالعہ ان احادیث نبوی سے کیا جائے جو ہماری معتبر ومستند کتب احادیث میں موجود ہیں۔ دوسرے الفاظ میں یہ مقصود ہے کہ امام طبری کی جمع کردہ احادیث کو متداول وقابل اعتماد مجموعہ ہائے احادیث کی میزان صدق میں تولا جائے کہ وہ کیسے تلتی اور کیا قیمت پاتی ہیں۔ ہمارا طریقۂ بحث یہ ہوگا کہ تہذیب الآثار کی اصل احادیث (جن کی کل تعداد مکررات سمیت صرف مسانید عمر وعلی میں تراسی ہے) اور ان اصل احادیث نبوی کی تائیدی روایات واخبار (جن کی کل تعداد ان

دونوں مسانید میں ایک ہزار آٹھ سو اٹھارہ ہے) کا تقابلی مطالعہ معلوم ومعروف کتب احادیث کی روایات سے کیا جائے کہ وہ ان میں موجود ومروی ہیں یا نہیں اور اگر ہیں تو کس حد تک اور کس اعتبار سے یہ مطالعہ مسانید کے لحاظ سے آئندہ صفحات میں پیش ہے۔ بنیادی طور سے ہمارا تقابلی مطالعہ محقق کتاب شیخ محمود محمد شاکر کے حواشی وتعلیقات کتاب پر مبنی ہے۔

مسند عمر میں محقق کتاب شیخ محمود محمد شاکر کی ترتیب وتبویب کے مطابق کل اصل احادیث طبری مکررات سمیت پچاس ہیں ان میں سے اول ودوم کا ایک مجموعہ امام طبری نے اپنی دو سندوں سے پیش کیا ہے جس کا متن اول دوسرے سے تھوڑا مختلف ہے۔ متن اول یہ ہے :-

.... عن عمر انه قال یا رسول الله! لقد سمعت فلانا وفلانا یذکران خیراً یزعمان انك اعطیتهما دینارین۔ فقال النبی صلی الله علیه وسلم: ولکن فلانا ما هو کذالك ــ اوما یقول کذالك ــ لقد اعطیته من اعطیته من عشرة الی مئة فما یقول ذالك وان احدهم یخرج بمسألته من عندی متابطها۔ یعنی ناراً۔ فقال عمر: یارسول الله افلم تعطیهم؟ قال: یابون الا ذالك او یابی الله لی البخل۔	حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ انھوں نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا اے اللہ کے رسول فلاں اور فلاں میرے سامنے آپ کا ذکر خیر کر رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ آپ نے انھیں دو دینار دیے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لیکن فلاں شخص صحیح بات نہیں کہہ رہا ہے میں نے اسے دس سے سو تک دیا ہے اس کا تذکرہ وہ نہیں کرتا۔ ان لوگوں میں سے ایک شخص میرے پاس سے کچھ مانگ کر واپس جاتا ہے۔ وہ درحقیقت اپنی بغل میں آگ دبائے ہوتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا اے اللہ کے رسولؐ آپ انھیں کچھ دیتے کیوں ہیں؟ فرمایا وہ لوگ کچھ لیے بغیر نہیں جاتے اور اللہ بھی میرے لیے بخل کو پسند نہیں کرتا۔

اس حدیثِ طبری کو امام ابن حبان نے موارد الظمآن میں اختصار کے ساتھ نقل کیا ہے اور ان کے علاوہ امام حاکم، امام احمد بن حنبل نے بھی روایت کیا ہے جبکہ امام ذہبی نے امام حاکم کی رائے کی توثیق کی ہے۔

اس حدیث کی تائید و توثیق میں امام طبری نے اپنی سند سے حضرت ابوسعید خدری کی روایت/خبر (۵-۶) نقل کی ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ تین بار سوال کرنے پر رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انصارِ کرام کے کچھ لوگوں کو عطا فرمایا اور پھر آخر میں ارشاد فرمایا کہ جو استغفار یا غنا یا صبر اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے وہی عطا فرماتا ہے اور صبر سے بڑا اور کوئی عطاء الٰہی نہیں۔ روایت جن ائمہ حدیث کے ہاں ان کی اپنی اسناد سے ملتی ہے ان میں امام بخاری، امام مسلم، امام ابوداؤد، امام نسائی، امام ترمذی اور امام احمد بن حنبل شامل ہیں۔

ایک اور تائیدی خبر (۱۰) طبری کو امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں دوسری سند سے نقل کیا ہے۔ جبکہ ایک اور تائیدی خبر (۱۱-۱۳) کو امام ابوداؤد، امام ترمذی امام احمد بن حنبل اور امام حاکم نے اپنی اپنی اسناد کے ساتھ الفاظ کے بعض اختلافات کے ساتھ روایت کیا ہے۔ روایت ۱۴-۱۵ کو امام بخاری، امام مسلم، امام نسائی اور امام احمد بن حنبل نے اختصار و اختلاف کے ساتھ اپنی اسناد سے لیا ہے۔ حضرت سمرہ بن جندبؓ کی روایات ۱۶-۲۰ مختلف طرق سے امامانِ حدیث ابوداؤد، نسائی، ترمذی ابن حبان اور احمد بن حنبل نے نقل کیا ہے روایت ۲۳-۲۴ بطریق ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف کو امام احمد نے مسند میں اور ہیثمی نے مجمع الزوائد میں اپنے تبصرہ کے ساتھ روایت کیا ہے۔ جبکہ روایت ۲۵-۲۶ کو امام احمد نے مسند میں مطول اور صاحب مجمع الزوائد نے مختصر نقل کیا ہے اور روایت ۲۷ کو مجمع الزوائد میں نقل کرکے کہا ہے کہ بزاز اور طبرانی نے الکبیر میں نقل کیا ہے اور اس کے رجال ثقہ ہیں۔

طبری کی روایت ۲۹ کو امام ابوداؤد، امام نسائی، امام احمد نے یا تو مطول روایت کیا ہے یا مختصراً۔ جبکہ روایت ۳۰ کو مختلف طرق سے امام ترمذی، امام احمد اور امام طبرانی نے اپنے اپنے ہاں نقل کیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود کی روایت کو ۳۲-۳ ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، دارمی، حاکم اور خطیب بغدادی نے دوسرے

طُرق سے روایت کیا ہے۔ حضرت سہل بن الحنظلہ کی روایت ۳۴؎ امام ابوداؤد، احمد
بن حنبل اور ابن حبان نے اور روایت ۳۵؎ بروایت حضرت عمران بن حصینؓ صرف
امام احمد اور بزار اور طبرانی نے لیا ہے۔ جبکہ حضرت حکیم بن حزام کی روایت ۳۶-۸؎
الفاظ و اسناد کے فرق کے ساتھ ائمہ صحاح جیسے بخاری، مسلم، نسائی، ترمذی، طبرانی
وغیرہ میں موجود ہے۔ روایت طبری ۳۹؎ بطریق حضرت عوف بن مالک اشجعی، مسلم،
ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ کے ہاں ہے۔ حضرت ثوبان مولی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کی سند پر مروی روایت طبری ۴۰-۴۵؎ امام نسائی، ابن ماجہ اور احمد نے ایک طریق
سے اور ابوداؤد، احمد، ابونعیم اور حاکم نے دوسرے طریق سے تخریج کی ہے حضرت
عائذ بن عمرو کی روایتِ طبری ۴۶-۷؎، نسائی اور احمد کے ہاں اور حضرت ابوہریرہؓ کی
روایت ۴۸؎ امام مسلم، امام ابن ماجہ اور امام احمد کے ہاں موجود ہے۔ جبکہ روایت
۴۹؎ بسند حضرت ابوذر غفاری صرف امام احمد کے مجمع الزوائد میں پائی جاتی ہے اور
حضرت عثمان بن ابی العاص ثقفی کی روایت ۵۰-۱؎ امام احمد، امام حاکم، البزار اور طبرانی
کے علاوہ ابن سعد کے ہاں بھی ملتی ہے۔ حضرت قبیصہ بن المخارق کی روایت ۵۲-۵؎
کو امام مسلم، امام ابوداؤد امام نسائی اور امام احمد نے نقل کیا ہے۔ حدیث ابوہریرہؓ
۵۶-۶۰؎ کی دوسری صورتیں اماماں حدیث جیسے مسلم، ترمذی اور احمد کے ہاں ہیں۔ روایت
طبری ۶۱؎ بطریق حضرت ابوہریرہ امام بخاری نے بھی بیان کی ہے اور روایت
۶۲-۳؎ امام بخاری کے علاوہ امام مسلم اور امام نسائی نے بھی حضرت ابوہریرہؓ کی ہی
سند پر مروی روایتِ طبری ۶۴-۵؎ صرف امام احمد کے ہاں ہے۔ حضرت عبداللہ بن
مسعود کی روایت ۷۱؎ امام احمد اور امام حاکم نے، روایت ۷۲-۳؎ بسند حضرت عبداللہ
بن عمر امام بخاری، امام مسلم، امام نسائی، امام ابوداؤد اور امام احمد بن حنبل نے مختلف طرق
سے نقل کی ہے۔ جبکہ صحابی موصوف کی روایت ۷۴-۵؎، صرف امام احمد کے ہاں ہے۔
اور خبر ۷۸؎ بسند حضرت ابوامامہ امام مسلم اور امام ترمذی نے نقل کی ہے اور خبر ۷۹؎
بسند حکیم بن حزام صرف امام احمد کے ہاں ہے یہی حال خبر ۸۱؎ کا ہے مگر خبر ۸۲؎ کو
امام نسائی اور ابن حبان نے بھی نقل کیا ہے۔ ان کے علاوہ کئی روایاتِ طبری ایسی ہیں
جن کی تلاش دوسرے مآخذ حدیث میں نہیں کی جاسکی۔

۱۵۳

اس تفصیل سے یہ واضح ہوتا ہے کہ امام طبری کی اصل حدیث اور اس کی چوراسی تائیدی روایات کی بیشتر روایات کی تصدیق وتائید دوسرے معتبر ومسلم اماماِن حدیث کی تخریج سے ہوجاتی ہے۔ ان میں تمام اہم ائمہ حدیث شامل ہیں۔ چوراسی روایات واخبار طبری میں صرف دس ایسی ہیں جن کی موجودہ صورت میں متبادل روایات محقق علام کو نہیں مل سکیں وہ بالترتیب ہیں: ع۲-۲۱، ع۶۶، ع۸-۶۷، ع۷۰، ع۷۷، ع۸۰ اور ع۸۳-۸۴۔

اس کے بعد امام طبری نے تحریم سوال کے مختلف مسالک واقوال کا ذکر کیا ہے اور ان میں سے ہر ایک کی استدلالی اور تائیدی روایات نقل کی ہیں۔ مسلک اول کہ وہ سوال / مسئلہ حرام ہو جو مالداری کے باوجود صرف تکثیر مال کے لیے کیا جائے کی تائید میں چھ روایات نقل کی ہیں۔ ان میں چار ع۸-۸۵ امام شعبی (عامر بن شراحیل) کی سند پر حضرت عمر پر موقوفاً مروی ہیں اور ان کو ابن حبان نے نقل کیا ہے۔ بقیہ مسالک کی روایات کی تائید میں یا تو پہلے اخبار طبری گذر چکے ہیں یا ان کی دوسروں کے ہاں تائید نہیں ملتی۔ مثلاً خبر ع۹۸ کو عبداللہ بن احمد نے اپنے اضافات مسند میں ذکر کیا ہے۔ خبر / روایت ع۴-۱۰۲ کو امام ابوداؤد، ترمذی، ابن حبان نے اپنی اپنی اسناد سے اور امام بخاری نے الادب المفرد میں نقل کیا ہے۔ جبکہ خبر ع۱۰۵-۱۰ کو ابوداؤد، نسائی، احمد، ابن حبان اور امام بخاری نے (الادب المفرد) میں دوسرے طرق سے روایت کیا ہے۔ خبر ع۱۱۱ اور ع۱۱۲ کی تائید کہیں نہ مل سکی البتہ خبر ع۱۱۳ کو امام ترمذی عبداللہ بن احمد اور ابوداؤد نے دوسرے طرق سے لیا ہے۔ حضرت ابوہریرہ کی سند پر مروی خبر ع۷-۱۱۴ : لم یشکر الناس لم یشکر اللہ الفاظ کے اختلاف اور ترتیب کی تبدیلی کے ساتھ ابوداؤد، ترمذی، امام بخاری (الادب المفرد)، ابن حبان اور احمد نے نقل کیا ہے۔ جبکہ روایت ع۹-۱۱۸ بسند حضرت ابی سعید خدری اسی سند کے ساتھ ترمذی میں موجود ہے اور امام احمد نے بھی اس کو روایت کیا ہے۔ حضرت اشعث بن قیس کندی کی روایت ع۱-۱۲۰ احمد نے صرف نقل کی ہے۔

مداحوں اور ان کی مدح کی مذمت میں حضرت مقداد کی روایت طبری ع۲۰-۱۲۷ آمرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان نحثو فی وجوہ المداحین التراب (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو حکم دیا کہ مدح کرنے والوں کے منہ میں مٹی بھر دیں) الفاظ کے

الفاظ کے بعض اختلاف کے ساتھ امام مسلم، امام ترمذی، احمد کے علاوہ امام بخاری نے الادب المفرد میں اور امام ابن ماجہ نے اپنی سنن میں اپنی اسناد کے ساتھ دی ہے اور دوسری صورت ۱۲۸-۹ میں مسلم، ابوداؤد اور احمد میں اور تیسری صورت ۱۳۰ مین امام احمد کے لیے علاوہ بخاری کی الادب المفرد میں اور بصورت دیگر ابن حبان کے ہاں بھی موجود ہے۔ جبکہ حضرت ابوموسیٰ اشعری کی روایت طبری ۱۳۲ امام بخاری نے اپنی صحیح اور ادب دونوں میں اور امام مسلم نے صحیح میں اور امام احمد نے اپنے مسند میں نقل کی ہے اور سب نے اسی طریق سے روایت کی ہے۔ حضرت معاویہ بن ابی سفیان اموی کی حدیثِ نبوی ۱۳۵-۶ : ایاکم والتمادح. فانه الذبح (تم باہمی مدح وتعریف سے بچو بلاشبہ وہ ذبح کرنا ہے) ابن ماجہ اور احمد نے روایت کی ہے اور موخرالذکر نے روایت طبری ۱۳۷ بسند حضرت محجن کو اسی طریق سے مطولاً نقل کیا ہے۔ روایتِ طبری ۱۳۸-۴۰ بسند حضرت ابوبکرہ الثقفی۔ امام بخاری، امام مسلم، امام ابوداؤد، امام ابن ماجہ اور امام احمد کے ہاں موجود ہے۔ حضرت اسود بن سریع تمیمی کی سند پر مبنی روایت طبری ۱۴۱ جو مدح کے جواز میں ہے بخاری کی الادب المفرد اور امام احمد کے مسند اور مجمع الزوائد دونوں میں ہے۔ روایت طبری بسندِ حضرت عمر ۱۴۲ کو امام مسلم اور امام احمد کی تائید حاصل ہے جبکہ ۱۴۳ کو امام احمد نے صرف مجمع الزوائد میں نقل کیا ہے۔ حضرت ابن عباس کی روایت ۱۴۵-۸ کو امام بخاری، امام مسلم، امام نسائی، امام احمد وغیرہ کی مکمل تائید ملی ہوئی ہے۔ روایت ۱۴۹-۵۰ بسند حضرت انس امامانِ عظام بخاری، مسلم، ترمذی، ابن ماجہ اور احمد کے ہاں موجود ہے۔ حضرت مطعم بن جبیر نوفلی کی سند پر مروی روایت ۱۵۱-۵ کے تین طرق ہیں۔ اول طریق سے امام بخاری اور امام احمد نے لیا ہے۔ طریق ثانی سے ان میں سے کسی کے ہاں مذکور نہیں، اور طریق سوم بھی محدثین کے ہاں نہیں ہے۔ یہی حال روایت ۱۵۶ کا ہے۔ لیکن روایت ۱۵۷ امام بخاری (الادب المفرد) امام مسلم نے نقل کی ہے حضرت سہل بن سعد ساعدی کی سند پر منقول روایتِ طبری ۱۵۸-۶۱ امام بخاری اور امام احمد کے ہاں موجود ہے۔ جبکہ روایت ۱۶۲ (بسند حضرت صفوان بن امیہ جمحی) اسی طریق سے امام مسلم نے نقل کی ہے اور ان کے علاوہ امام ترمذی اور امام احمد کے ہاں موجود ہے۔ جبکہ روایت ۱۶۳ صرف ترمذی میں ہے۔ روایت

ع۱۶۵ ترمذی کی سنن اور بخاری کی الادب المفرد میں ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث ع۸-۱۶۶ نسائی، بخاری (ادب مفرد) احمد میں موجود ہے۔ روایت ع۷-۱۶۹ (حدیث ابی ہریرہؓ) ابوداؤد اور احمد کے علاوہ بخاری نے التاریخ الکبیر میں اور ابن حبان نے نقل کی ہے اور روایت ع۱۷۱ مسلم و احمد میں ہے۔ روایت ع۳-۱۷۲ احمد و ابن حبان میں ہے اور امام حاکم نے بھی اس کو نقل کیا ہے۔ جبکہ روایت طبری بسند حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص سہمی ع۷-۱۷۴ ابوداؤد، احمد اور حاکم کے ہاں ہے۔ روایت ع۱۷۸ ترمذی اور مجمع الزوائد میں ہے اور روایت ع۱۷۹ بخاری اور مسلم کی صحاح میں ہے۔ روایت ع۲-۱۸۰ ابوداؤد اور احمد نے الفاظ کے اختلاف کے ساتھ نقل کی ہے اور روایت ع۱۸۳ ابوداؤد، نسائی اور احمد میں ہے۔ روایت ع۱۸۴ ابوداؤد اور نسائی میں ہے۔ جبکہ روایت ع۱۸۵ امام بخاری، مسلم اور احمد نے مختلف طرق سے بیان کی ہے۔ روایت ع۱۸۶ ترمذی ہی میں ہے۔ امام طبری نے اس کے بعد صحابہ و تابعین وغیرہ کے آثار و اقوال سے دلیل پکڑی ہے جن کی تائیدی روایات نہیں ملتیں اور یہ روایات ع۱۸۷-۲۲۵ تک محیط ہیں۔

امام طبری کی حدیث ع۳ درباب اکل گوہ (ضب) جو حضرت ابوسعید خدریؓ کے واسطہ سے حضرت عمرؓ سے مروی ہے اسی طریق سے امام مسلم، امام احمد اور امام بیہقی کے ہاں منقول ہے۔ اس حدیث کی تائیدی روایات طبری بھی مختلف ائمہ حدیث کے ہاں موجود ہیں جیسے روایت ع۲۳۰ مسند احمد بن حنبل میں، ع۲-۲۳۱ ابن ماجہ اور احمد میں، روایت ع۲۳۴ ابن ماجہ مسند احمد بیہقی (سنن) میں، روایت ع۹-۲۳۶ امام مسلم، امام احمد اور امام بیہقی میں اسی سند سے، روایت ع۴۳-۲۴۰ صرف مسند احمد میں، روایت ع۵-۲۴۴ کسی میں نہیں ہے۔ جبکہ روایت ع۲۴۶ بخاری کی مختلف کتابوں کتب صحیح، مسلم، ابوداؤد، نسائی، احمد اور بیہقی میں، روایت ع۵۰-۲۴۹ بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، دارمی، احمد اور بیہقی۔ روایت ع۲-۲۵۱ مجمع الزوائد میں، روایت ع۲۵۳ بخاری، مسلم، بیہقی وغیرہ میں، روایت ع۶۲-۲۵۴ (بسند ابن عمر) مختلف طرق سے مسلم، احمد، بیہقی میں روایت ع۴-۲۶۳ بخاری، مسلم، نسائی، ترمذی، ابن ماجہ اور بیہقی روایت ع۲۶۶ ترمذی، ابن ماجہ کے علاوہ ابن سعد، تاریخ بخاری وغیرہ میں ہے۔

اس کے بعد گوہ کے کھانے کی حلت پر ایک جماعت کا مسلک بیان کیا ہے اور ان کی تائید میں آثار صحابہ و اقوال تابعین بیان کیے ہیں جو روایات ۲۶۷-۸۹ وسیع ہیں اور ظاہر ہے کہ ان کی تائیدی روایات کی ضرورت نہیں۔

البتہ جن مرفوع روایات میں حکم نبوی کہ نہ اس کو کھانے کا حکم دیتا ہوں اور نہ اس سے منع کرتا ہوں کی متعدد تائیدی روایات نقل کی ہیں۔ ان میں روایت ۲۹۰ مجمع الزوائد میں ہے، جبکہ روایت ۲۹۱-۳ تاریخ کبیر بخاری، ابوداؤد اور نسائی میں اسی طریق سے اور ابن ماجہ، احمد اور بیہقی میں دوسرے طریق سے ہے اور روایت ۲۹۴-۵ احمد و بیہقی میں، روایت ۲۹۶ مسلم، احمد اور بیہقی میں، روایت ۲۹۷ ابن ماجہ میں، روایت ۲۹۹-۳۰۰ احمد میں ہے۔ پھر متقدمین اہل علم کے اقوال ہیں (روایات ۳۰۱-۸) اور ان میں سے بعض مرفوع احادیث پر مبنی ہیں اور ان کی تائید احمد و بیہقی وغیرہ میں ملتی ہے۔ پھر ان سلف کے اقوال ہیں جنہوں نے اس کے کھانے کو منع کیا ہے۔ (۳۰۹-۱۰)

امام طبری نے اس کے بعد اپنا مسلک بیان کیا ہے کہ اس کا کھانا حلال ضرور ہے مگر گندگی کے سبب مکروہ ہے۔ اس کے دلائل دینے کے بعد وہ اعتراض کرنے والوں کی پیش کردہ احادیث مرفوعہ کی صحیح توجیہ کی ہے۔ ان روایات (۳۱۱-۲) کی تائیدی روایات ابوداؤد، بیہقی، مسلم اور احمد میں موجود ہیں۔ اس حدیث اصل پر کل تائیدی روایات یہی ہیں۔

امام طبری کی حدیث ۴-۷ (درباب نماز قصر دوران سفر) کی تائید امام مسلم، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، احمد، بیہقی اور عبدالرزاق نے اپنی روایات سے کی ہے۔ اس اصل حدیث کی تائیدی روایات طبری کی توثیق بھی دوسرے امامان حدیث کی روایات سے ہوتی ہے جیسے روایت ۳۱۴-۵ کی مسلم، نسائی، تاریخ کبیر بخاری، طیالسی اور بیہقی میں ہے، روایت ۳۱۶-۲۵ احمد، عبدالرزاق، بیہقی، نسائی اور ترمذی کے ہاں مختلف صورتوں میں موجود ہے۔ روایت ۳۲۶-۳۰ احمد میں دوسرے طرق سے روایت ۳۳۱-۳ مسلم، نسائی اور احمد نے، روایت ۳۳۴-۷ بخاری، مسلم، ابوداؤد نسائی، ترمذی، احمد اور بیہقی نے مختلف طرق سے، روایت ۳۳۸ نسائی، ابن ماجہ احمد اور بیہقی نے، روایت ۳۳۹-۴۱ بخاری، مسلم، نسائی، ترمذی، ابن ماجہ، احمد اور

بیہقی نے اپنی اپنی اسناد سے، روایت ۷-۳۴۲ بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، احمد اور بیہقی نے مختلف طرق سے، روایت ۵-۳۴۹ نسائی احمد نے پوری اور بخاری نے تاریخ کبیر میں اشارۃً، روایت ۲-۳۵۱ اسی سند سے صرف نسائی نے، روایت ۶-۳۵۳ بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی، احمد اور بیہقی نے، روایت ۹-۳۵۸ مسلم اور احمد نے مختلف طرق سے، روایت ۳۶۰ بخاری اور نسائی نے، روایت ۲-۳۶۱ بخاری، مسلم، نسائی اور احمد نے اور روایت ۵-۳۶۴ صرف عبدالرزاق نے اسی طرق سے، روایت ۳۶۶ مسلم اور احمد نے، روایت ۳۶۸ نسائی نے، روایت ۷۷-۳۶۹ تفصیل کے ساتھ بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی اور ترمذی نے، روایت ۹-۳۷۸ بلا تائید ائمہ حدیث نے نقل کی ہے۔ اس کے بعد ائمہ سلف کے اقوال و آثار ہیں (۴۳۶-۳۸۰)۔ پھر ان علماء کا قول/مسلک پیش کیا جو نماز قصر کو حالت امن میں جائز نہیں سمجھتے اور صرف دشمن کے خوف کے سبب اس کو جائز قرار دیتے ہیں۔ ان کی تائیدی روایات ۴۰-۴۳۷ احمد، ابوداؤد، بیہقی وغیرہ نے روایت کی ہے۔

حدیث طبری ۸ (درباب تسمیہ نافع و برکہ و یسار وغیرہ) کی اسی طریق سے تائید کی ہے امام ترمذی نے اور اسی کو ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔ اس کی تائیدی روایات طبری ۳-۴۴۲ کو مسلم نے صحیح میں اور بخاری نے الادب المفرد میں نقل کیا ہے۔ روایت ۵-۴۴۴ کو مسلم، ابوداؤد، ابن ماجہ اور طبرانی نے، روایت ۷-۴۴۶ اور روایت ۴۵۲ کو مسلم، ابوداؤد، ترمذی، احمد، طبرانی نے روایت ۴۴۸ کو صرف طبرانی نے، روایت ۵۱-۴۴۹ کے بعض دوسرے ائمہ نے نقل کیا ہے۔ پھر دوسری روایات بلا تائید ہیں اور پھر اقوال علماء سلف ہیں (۷-۴۵۴)

حدیث طبری ۹ کا موضوع صوم داؤد (ایک دن کے ناغہ سے روزہ) صوم عرفہ اور صوم عرفہ رکھنا ہے۔ اصل حدیث عمر کی تائید کسی کے ہاں نہیں البتہ حضرت ابوقتادہ کی حدیث مرفوع جو طبری نے بطور تائید پیش کی ہے۔ ۶۱-۴۵۸ اس کی تائید متعدد ائمہ حدیث کے ہاں ملتی ہے جیسے امام مسلم، امام ابوداؤد، امام نسائی امام ترمذی، امام ابن ماجہ، امام بیہقی اور امام احمد۔ جبکہ روایت ۴-۴۶۲ امام احمد کے علاوہ بخاری کی تاریخ کبیر میں بھی ہے۔ صیام دہر کے بارے میں حضرت

عبداللہ بن الشخیر عامری کی مرفوع حدیث (روایت طبری ۱-۶۵/۷۱) کہ "جس نے اسے رکھا اس کا نہ روزہ ہے نہ افطار"۔ امام احمد، نسائی، ابن ماجہ اور ابن حبان نے بھی نقل کی ہے۔ جبکہ حضرت موصوف کی حضرت عمران بن الحصین کے واسطہ سے اس روایت کا دوسرا طریق ابن ماجہ کے سوا باقی تینوں مذکورہ بالا ائمہ کرام کے ہاں موجود ہے۔ اسی موضوع پر حضرات ابن عمر و ابن عمرو کی روایت طبری ۷۳-۷۷ صرف نسائی میں ہے اور ابن عباس کی ایسی ہی روایت ۷۸ صرف مجمع الزوائد میں ہے۔ روایت طبری ۷۹-۸۲ جو حضرت عبداللہ بن عمرو کی سند پر مروی ہیں اسی مفہوم کی دراصل ایک خبر طویل کا حصہ ہے اور متعدد کتابوں میں موجود ہے جیسے بخاری، مسلم، نسائی، ترمذی، ابن ماجہ، احمد اور بیہقی۔ صوم دہر کی ممانعت پر حضرت ابوموسیٰ اشعری کی حدیث (روایت طبری ۸۵-۹) احمد اور بیہقی کے علاوہ ابن حبان اور طبرانی نے بھی بیان کی ہے۔ اس کے بعد امام طبری صوم دہر کی ممانعت نبوی پر عمل صحابہ کرام اور ان کے اقوال و آثار اور علماء اسلام کے احکام کا ذکر کیا ہے (روایات طبری ۹۰-۹۷)

امام طبری نے اس کے بعد ان علماء و مسالک کا ذکر کیا ہے جو کہتے ہیں کہ صوم دہر کے بارے میں مذکورہ بالا احادیث نبوی کا مقصود لوگوں کو تکلیف سے بچانا ہے لہٰذا حرام دنوں کے روزے اس سے خارج ہیں۔ صوم دہر سے اصل مراد متعدد کئی دنوں کا بلا افطار روزہ رکھنا ہے جیسے ایک ماہ یا کئی ماہ لیکن جو ایسا نہ کرے ان کو اجازت صوم دہر ہے۔ ان حضرات کی تائید میں جو روایات آتی ہیں ان کو امام طبری نے بیان کیا ہے۔ ان میں سے روایت ۹۸ امام بخاری اور ترمذی، کے علاوہ ابن سعد اور ابونعیم کے ہاں بھی مختصراً موجود ہے۔ اسی طرح روایت طبری ۹۹ بسند حضرت عبداللہ بن عمرو، بخاری، مسلم، نسائی، احمد اور بیہقی میں موجود ہے۔ روایات طبری ۵۰۰-۵۰۲ حضرت عبداللہ بن عمرو کی مذکورہ بالا روایت کی دوسری صورتیں ہیں۔

بعض علماء کا مسلک یہ ہے کہ صوم دہر کا مقصود یہ ہے کہ پورے دنوں کا روزہ رکھا جائے اور جن دنوں میں روزہ رکھنا منع کیا گیا ہے ان میں بھی افطار نہ کیا جائے۔ ممانعت کی تمام روایات کا اسی سے تعلق ہے۔ اس مفہوم کے مطابق ممنوع ایام میں

جو افطار کرے وہ پورے سال کا روزہ رکھ سکتا ہے اور وہ صوم دہر ہے ۔ اس کی تائید میں امام طبری نے متعدد روایات نقل کی ہیں جو آثارِ صحابہ وسلف سے متعلق ہیں (ع ۵۰۲-۱۳)

امام طبری کے نزدیک صحیح مسلک یہ ہے کہ صوم ابد تو غیر جائز ہے اور اس کا عامل نہی نبوی کو توڑنے والا ہے، البتہ صوم دہر صوم داؤد ہے یعنی ایک دن روزہ اور ایک دن افطار اور اسی طرح صرف طاقت وسکون کے عالم میں روزہ رکھنا ضروری ہے ورنہ افطار واجب ہے ۔ انھوں نے اپنی تائید میں بیشتر ان روایات سے استشہاد کیا ہے جن میں صوم داؤد کا ذکر آیا ہے اور اعتدال کا حکم دیا گیا ہے (روایات ع ۵۱۴-۱۸) یہ روایات صحاح میں ملتی ہیں جن کا اوپر حوالہ آچکا ہے ۔ پھر اپنی تائید میں ائمہ سلف کے آثار واقوال کا ذکر کیا ہے ۔ (روایات ع ۵۱۹-۲۶) ان میں سے بھی کئی روایات دوسری کتب صحاح میں موجود ہیں جیسے روایت ع ۵۲۳-۴ بخاری، بیہقی اور حاکم ۔

نفل روزہ کے بارے میں امام طبری کا مسلک یہ ہے کہ وہ صرف طاقت و نشاط کی موجودگی ہی میں رکھا جائے ۔ ایسے روزے جو تکلیف میں مبتلا کردیں" ناجائز" ہیں ۔ اس لیے اعتدال ضروری ہے اور بہتر ہے کہ ہر ماہ تین روزے رکھے جائیں جیسا کہ متعدد احادیثِ نبوی سے ثابت ہے ۔ اس مسلک کی تائید میں امام طبری نے احادیث نبوی اور روایات واخبار سلف بیان کیے ہیں ۔ ان میں سے بھی متعدد دوسری کتب حدیث میں موجود ہیں جیسے روایت ع ۵۲۷-۸ بسند حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص، جو بخاری، مسلم، ابو داؤد اور نسائی میں ہے ۔ روایت ع ۵۲۹ نسائی میں ۔ روایت ع ۵۳۰-۳۲ بسند عبداللہ بن عمرو پہلے مذکور ہو چکیں، اسی طرح ع ۵۳۳-۵ بھی مذکور ہو چکیں ۔ ان تمام روایات کا تعلق ہر ماہ میں تین دن روزہ رکھنے اور ان کو صوم دہر قرار دینے سے ہے ۔ دوسری وہ روایات ہیں جو ایک ماہ میں ایک روزہ یا تین روزوں کو کافی قرار دیتی ہیں جیسے روایت ع ۵۳۶ مسلم، نسائی، احمد اور ابن حبان وبیہقی میں ہے، جبکہ روایت ع ۵۳۷ بخاری، نسائی، احمد اور بیہقی میں ہے ۔ روایت ع ۵۳۸ نسائی، ترمذی اور ابن ماجہ میں روایت ع ۵۳۹-۴۰ اسی طریق سے نسائی میں ہے ۔ روایت ع ۵۴۱-۳ احمد، تاریخ کبیر بخاری، ابن حبان میں، روایت ع ۵۴۴ بخاری کی تاریخ کبیر کے علاوہ ابن سعد میں، روایت ع ۵۴۵ نسائی اور احمد میں روایت

۵۴۶-۷ طیالسی، نسائی، ابن ماجہ، احمد، ابن سعد، ابن حبان اور بیہقی میں ایک طریق سے اور ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، ابن سعد، احمد اور بیہقی میں ہے۔ امام طبری نے اس کے بعد سلف کے اقوال وافعال اور آثار کا ذکر کیا ہے۔ (روایات ۵۴۸-۵۶)

صومِ عرفہ کی نفلیت / استحباب اور فضیلت کے بارے میں امام طبری نے متعدد احادیث مرفوعہ اپنی اسناد سے بیان کی ہیں مگر وہ کسی نہ کسی شکل میں دوسرے محدثین کے ذخائر میں بھی پائی جاتی ہیں۔ جیسے روایت ۵۵۷ مجمع الزوائد میں، روایت ۵۵۸ طبرانی (معجم کبیر) اور مجمع الزوائد میں ہے اور آثارِ سلف ۵۵۹-۶۰ بھی قابلِ اعتماد ہیں۔ ان روایات کا بھی ذکر کیا ہے جو صوم عرفہ کی ممانعت کرتی ہیں اور ان کی تائید بھی دوسرے محدثین کے ہاں ملتی ہے جیسے روایت ۵۶۲-۳ ابوداؤد، نسائی، ترمذی اور بیہقی میں، روایت ۵۶۴-۷ احمد، (مجمع الزوائد وغیرہ) میں، روایت ۵۶۸، ۷۰ بخاری، مسلم، ابوداؤد، احمد اور بیہقی میں اور روایت ۵۷۱-۲ احمد میں ہے۔ امام طبری نے اس کے بعد ان احادیث / روایات کا ذکر کیا ہے جو ظاہر کرتی ہیں کہ عرفہ کے دن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے افطار کیا تھا اور افطار وصوم عرفہ کی روایات میں تطبیق دی ہے۔ ایسی روایات ۵۷۳-۹۱ کی تائید محدثین پہلے آچکی ہے۔ ان میں وہ روایات بھی شامل ہیں جو عرفہ کے دن عرفہ میں روزہ پر افطار کو ترجیح دیتی ہیں اور علماءِ سلف کا مسلک بیان کرتی ہیں۔ یعنی عرفہ میں افطار کرنا اور دوسرے مقامات پر یوم عرفہ کو روزہ رکھنا افضل ہے۔ لیکن اس باب میں بعض علماء کا مسلک یہ ہے کہ یوم عرفہ کا روزہ رکھنا ہر جگہ کے لوگوں کے لیے مکروہ ہے اور ان کی تائیدی روایات وآثارِ سلف بھی نقل کیے ہیں۔ (روایات ۵۹۲-۹۹) ایک اور مسلک ان صحابہ اور تابعین کا نقل کیا ہے جو عرفہ کے دن افطار پر روزہ کو فضیلت دیتے تھے اور ان کی تائیدی روایات نقل کی ہیں (روایات ۶۰۰-۱)

نفلی روزوں میں صومِ عاشورا کی بھی بہت فضیلت متعدد احادیث وروایات میں آئی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی اس دن روزہ رکھتے تھے اور دوسروں کو بھی آمادہ کرتے تھے۔ کیونکہ جاہلیت میں قریش / عرب رکھا کرتے تھے۔ لیکن رمضان کے روزے فرض ہونے کے بعد اس کی حیثیت بدل گئی۔ کچھ علماء کا مسلک ہے کہ

اب صومِ عاشورا نفل ہے جس کا جی چاہے رکھے۔ ان کی تائیدی روایاتِ طبری میں ع ۶۱۱-۵ مسلم، بخاری، اور احمد میں، ع ۶۱۶-۲۴ صحیحین و احمد کے علاوہ ابوداؤد، بیہقی اور ابن ماجہ میں، روایات ع ۶۲۵-۶ صحیحین، ابن ماجہ اور بیہقی میں، روایات ع ۶۲۷-۳۲ صحیحین، ابوداؤد اور ترمذی اور بیہقی میں، روایت ع ۶۳۳ صحیحین میں۔ ع ۶۳۴ مجمع الزوائد میں، روایت ع ۶۳۵ مسلم، احمد اور بیہقی میں، روایت ع ۶۳۶-۹ نسائی اور احمد میں ہیں۔

صومِ عاشورا کے بارے میں کچھ روایات وہ ہیں جو بتاتی ہیں کہ یہود اسے رکھا کرتے تھے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت موسیٰؑ کی اتباع میں ان کو رکھنا شروع کیا۔ ان روایات کو طبری نے اپنی سند سے نقل کیا ہے اور ان میں سے بیشتر کی تصدیق دوسرے مآخذ سے ہوتی ہے جیسے روایت ع ۶۴۰-۴۱ کو ایک طریق سے مسلم، ابوداؤد، احمد اور بیہقی نے اور دوسرے طریق سے شیخین کے علاوہ ابن ماجہ نے نقل کیا ہے۔ جبکہ ع ۶۴۲-۴۳ احمد اور بیہقی میں ہے اور روایت ع ۶۴۴ مسلم، ابوداؤد اور بیہقی میں ہے۔ ان روایات میں آیا ہے کہ آپ نے ان کو رکھا یا صومِ عاشورا، کا حکم دیا لیکن رمضان کے بعد اس کو نفل قرار دیا۔ ان سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ آپ نے صومِ عاشورا، کا حکم دیا تھا لیکن رکھا نہیں امام طبری نے متعدد ایسی روایات بھی نقل کی ہیں کہ آپ نہ صرف صومِ عاشورا رکھتے رہے بلکہ اسی پر وفات بھی پائی۔ ایسی روایات کی تائید بھی دوسرے محدثین کی روایات سے ہوتی ہے جیسے روایت ع ۶۴۵-۵۰ کو مختلف طرق سے شیخین، احمد اور بیہقی وغیرہ نے روایت کیا ہے۔ روایت ع ۶۵۱ مسند احمد اور سنن بیہقی وغیرہ میں ہے جبکہ روایت ع ۶۵۲ صرف احمد نے بیان کی ہے۔ صومِ عاشورا کے بارے میں اسی سبب سے اختلافِ سلف رہا ہے۔ متعدد اس کو رکھتے تھے (روایات ع ۶۵۳-۶۹) بہت سے اس کو مکروہ سمجھتے تھے اور نہیں رکھتے تھے (ع ۶۷۰-۷۷)

امام طبری کا اس باب میں فتویٰ یہ ہے کہ رمضان کے روزوں سے قبل صومِ عاشورا، واجب تھا اور اس لیے اس کا حکم نبوی تھا۔ فرضیت رمضان کے بعد وہ مندوب ہوگیا اسی لیے اس کی فضیلت آپ بیان کرتے رہے، خود رکھتے رہے اور لوگوں کو

اس کی تاکید کرتے رہے جیسا کہ متعدد روایات سے ثابت ہوتا ہے۔ جن صحابہ و سلف سے اس کی کراہت آتی ہے وہ دراصل اہل جاہلیت کی مخالفت کے سبب آئی ہے جیسے کہ متعدد ائمہ سلف صوم رجب کو اسی سبب سے مکروہ سمجھتے تھے لیکن اب کوئی حرج نہیں بلکہ دونوں نفل اور مندوب ہیں۔

حدیث طبری ۱۰۔۱۴ کے مطابق حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں نے اپنے رب سے تین چیزوں میں موافقت کی یعنی مقام ابراہیم کو مصلیٰ بنانے، مسلم عورتوں کے لیے حجاب فرض ہونے اور ازواج مطہرات کے سلسلہ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار دینے میں اس اہم حدیث کی تائید امام بخاری، امام ترمذی، امام ابن ماجہ، امام احمد وغیرہ نے کافی مفصل و مدلل کی ہے۔ امام طبری نے اس حدیث نبوی سے متعدد احکام کا استنباط کیا ہے ان میں سے ایک اہل و عیال کے ساتھ حسن سلوک کا وجوب ہے۔ اس کی تائید میں متعدد دوسری احادیث و روایات نقل کی ہیں جن کی تائید میں دوسرے محدثین کی مرویات بھی ملتی ہیں۔ جیسے روایت ۶۷۸-۹ ترمذی اور ابن حبان میں ہے، روایت ۶۸۰ مجمع الزوائد اور موارد الظمآن ہے، روایت ۶۸۱ بخاری و مسلم، ترمذی، ابن ماجہ، احمد کے علاوہ زبیر بن بکار کی جمہرۃ نسب قریش میں بھی ہے۔ روایت ۶۸۲ ابوداؤد، نسائی، ترمذی، ابن ماجہ اور امام احمد نے بھی مطول یا مختصر اپنی اپنی سند سے نقل کی ہے۔ اس سلسلہ میں متعدد ایسی روایات بھی نقل کی ہیں جن میں سختی کرنے کا حکم آیا ہے۔ ان کی تائید و توثیق بھی دوسرے ماخذ سے ہوتی ہے جیسے روایت ۶۸۳ مجمع الزوائد میں ہے جبکہ ۶۸۴-۶ کی تائید کسی دوسرے ماخذ سے نہیں مل سکی۔ امام طبری نے ان دونوں قسم کی روایات میں تطبیق دی ہے کہ مارنے کا حکم غلط کام کرنے پر ہے اور عام حکم حسن سلوک کا ہے اور اس کی تائید میں اقوال و آثار سلف نقل کیے ہیں (روایات ۶۸۷-۹۰) جبکہ دوسرے علماء سلف کا خیال ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اصل منشا اپنی امت کو یہ تعلیم دینی تھی کہ وہ اپنے اہل و عیال کی صحیح تربیت کیسے کریں ان کی تائید میں متعدد روایات و احادیث پیش کی ہیں جن میں سے اکثر کی تائید دوسرے محدثین کے یہاں بھی ملتی ہے جیسے روایت ۶۹۱ ابوداؤد، ابن ماجہ، ابن حبان

کے علاوہ بخاری کی تاریخ کبیر بھی مختصراً موجود ہے۔ روایت ۶۹۲ بھی اسی طرح موید ہے۔ امام طبری نے اپنا مسلک پیش کرکے اس کی تائید اقوال وآثار سلف سے پیش کی ہے (۶۹۴-۷۰۲) پھر مارنے اور نہ مارنے یا عورتوں کے ساتھ سختی کرنے اور نہ کرنے کی روایات میں جو تضادِ ظاہری نظر آتا ہے اس کی توجیہ کرکے صحیح منشائے نبوی بیان کیا ہے اور اس کی تائید میں متعدد روایات نقل کی ہیں۔ ان کی بھی توثیق متعدد دوسرے مآخذ سے ہوتی ہے جیسے روایت ۷۰۳-۴ مسلم، احمد وغیرہ میں موجود ہے۔ اسی کا دوسرا روپ ۷۰۵ میں ہے اور آخری روایت ۷۰۶ ترمذی، احمد وغیرہ میں موجود ہے۔ حتی کہ امام طبری نے اس باب میں غریب الحدیث کی تشریح میں جن احادیث نبوی سے استشہاد کیا ہے ان کی توثیق بھی دوسرے مآخذ سے ہوتی ہے جیسے ۷۰۷-۱۱ بخاری، مسلم، ابوداؤد، اور احمد میں موجود ہے۔

مسند عمر کی حدیث طبری ۱۵ غزوہ بدر میں قریشی اکابر کے مقتل اور کنووں میں ان کی تدفین، ان سے کلام نبوی اور سماع موتیٰ (مردوں کے سننے) سے متعلق ہے۔ اسی طریق سے یہ روایت عمر مسلم، نسائی، طیالسی اور احمد میں مذکور ہے۔ اس مفہوم کی دوسری حدیث حضرت انس کی سند سے مروی ہے جو نسائی اور احمد میں پائی جاتی ہے۔ حضرت عمر کی مذکورہ بالا حدیث نبوی کی تائید میں امام طبری نے متعدد صحابہ کرام کی روایات نقل کی ہیں اور ان کی تائید و توثیق دوسرے محدثین کی مرویات سے بھی ہوتی ہے جیسے روایت ۱۳-۴ احمد میں، روایت ۱۵-۶ بخاری میں روایت ۱۷ سیرت ابن اسحاق / ابن ہشام میں ہے۔

سماعِ موتیٰ کے بارے میں متعدد اہل علم سلف کا مسلک ہے کہ وہ زندوں کا کلام سنتے ہیں۔ امام طبری نے ان کی تائیدی روایات نقل کی ہیں اور ان میں سے بیشتر دوسرے مآخذِ حدیث میں بھی ملتی ہیں۔ جیسے روایت ۱۸-۲۲ دوسرے طرق سے ابوداؤد، طیالسی، احمد اور حاکم میں ہے۔ طبری نے اس کو اپنی تفسیر میں بھی نقل کیا ہے۔ بعض طرق سے وہ ابن ماجہ، احمد، حاکم، عبدالرزاق اور مجمع الزوائد میں بھی ہے اور دوسری کتب میں بھی روایت ۲۴ مجمع الزوائد میں، روایت ۲۵-۶ ۔ ابن ماجہ اور احمد میں، روایت ۲۷-۹ حاکم، ابن حبان، الہیثمی میں،

روایت ۳۰ء مجمع الزوائد میں ہے۔
دوسرا مسلک سلف یہ ہے کہ نہ صرف مردے سنتے ہیں بلکہ بات چیت کرتے اور جانتے ہیں۔ امام طبری نے ان کی تائیدی روایات بھی پیش کی ہیں اور ان میں سے اکثر کی موافقت دوسرے محدثین کرام نے بھی کی ہے جیسے روایت ۲۰ء (روایات ۲۲-۳۲ء) متعدد علماء کا مسلک یہ ہے کہ ایسی تمام روایات جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہیں صحیح ہیں لیکن ان کا مفہوم یہ ہے کہ وہ حق کو اب جان چکے ہیں۔ اس کی تائید میں امام طبری نے متعدد روایات/احادیث نقل کی ہیں اور ان میں سے اکثر دوسرے مآخذ میں موجود ہیں جیسے ۴۴-۴۳ء ان کا ذکر ۴-۱۳ء میں آچکا۔ مزید ذکر مسلم میں ہے۔ روایت ۴۵ء مرسل ہے۔
امام طبری نے اسی سے متعلق مسلمانوں کے اجتماعی دفن کرنے کا مسئلہ بیان کیا ہے اور شہدائے احد سے اس کی دلیل پکڑی ہے۔ اس سلسلہ میں وہ جن احادیث و روایات کو بیان کرتے ہیں ان میں سے اکثر دوسری کتب حدیث میں موجود ہیں جیسے روایت ۴۷ء ابوداؤد اور ترمذی میں، روایت ۵۲-۴۸ء مختلف طرق سے ابوداؤد نسائی، ترمذی، ابن ماجہ اور احمد میں، روایت ۵۳-۵ء بلا تائید محدثین مذکورہ بالا، روایت ۵۶ء مختلف شکل میں نسائی، احمد اور ابن اسحٰق/ابن ہشام میں موجود ہے پھر قبر مسلمین کو لحد والی بنانے کا ذکر کیا ہے اور اس کی تائید میں متعدد روایات پیش کی ہیں۔ ان میں سے اکثر کو دوسرے محدثین نے بھی روایت کیا ہے جیسے حدیث/روایت ۵۷-۹ء کو ابن ماجہ، احمد، عبدالرزاق اور ابن سعد نے، روایت ۶۰-۱ء اسی مفہوم کی ابوداؤد، نسائی، ترمذی اور ابن ماجہ نے، روایت ۶۲-۳ء کو صرف ابن سعد نے روایت ۶۴ء کو احمد نے روایت ۶۶-۷ء کو مختلف اضافات و زیادات اور طرق سے نسائی، احمد ابن ماجہ، ابن سعد کے علاوہ زیادہ کے ساتھ مسلم وغیرہ نے، روایت ۷۱-۲ء کو صرف عبدالرزاق نے نقل کیا ہے جبکہ روایت ۷۳-۴ء مذکورہ بالا کے مطابق ہیں۔
تدفین سے متعلق ایک مسئلہ یہ ہے کہ جنازہ رکھنے کے ساتھ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قبلہ رو ہو کر تشریف فرما ہوئے۔ اس سے یہ اسلامی حکم امام طبری نے نکالا کہ قبلہ رو بیٹھنا بہترین مجلس ہے جس کی تائید احادیثِ نبوی، آثارِ صحابہ و سلف اور ا کے

اقوال سے ملتی ہے اور پھر ان میں سے متعدد کو بیان کیا ہے۔ مرویاتِ طبری کی تائید دوسرے مآخذِ حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ جیسے روایت ۷۷۵-۷۷۶ مجمع الزوائد میں ہے۔ اسی سے متعلق مختلف مجالس کے اسلامی احکام کا استنباط امام علام نے کیا ہے۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ نماز پڑھانے کے بعد امام کو مقتدیوں کی جانب رخ کر کے بیٹھنا چاہیے اور اپنے اس مسلک کی تائید میں احادیث و آثار پیش کیے ہیں جن میں سے کئی کی تائید دوسرے محدثین کی مرویات سے ہوتی ہے جیسے روایت ۷۷۷ کو بخاری نے مختلف کتب و ابواب میں روایت کیا ہے اور مسلم و احمد نے بھی نقل کیا ہے۔ نماز کے بعد پہلو بدلنے / دائیں مڑنے وغیرہ کی مرویاتِ طبری میں سے ۷۷۸-۷۸۰ ابوداؤد نسائی، ترمذی، طیالسی اور ابن سعد میں ہے۔ اس کے بعد ائمہ سلف کے آثار نقل کیے ہیں (روایات ۷۸۱-۷۸۶ جن میں استقبالِ قبلہ، انحراف اور مقتدیوں کی جانب رخ کر کے بیٹھنا سبھی شامل ہے)

اصل حدیث طبری ۷۱۸-۷۲۳ میں ایک فقرہ یہ ہے کہ ہم آپ کے گرد اس طرح بیٹھ گئے گویا کہ ہمارے سروں پر چڑیاں بیٹھی ہیں" اور اس سے یہ حکم اسلامی نکالا کہ ایسا تعظیم رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں کرنا ضروری ہے اور اسی سے تعظیم بزرگان کا حکم نکلتا ہے۔ اس کو اپنی مرویات / اخبار سے موید کیا ہے اور ان مرویات طبری میں سے متعدد کی تائید دوسرے امامانِ حدیث نے بھی کی ہے، جیسے روایت ۷۸۷ کو احمد نے کی ہے مگر روایت ۷۸۸ منفرد ہے۔ پھر اقوال و آثار صحابہ و سلف ہیں جیسے ۷۸۹-۷۹۲۔

تدفین / لحد میں رکھنے سے قبل جنازہ کے شرکاء کے بیٹھنے پر علماء و فقہاء کا اختلاف ہے۔ پہلے ان ائمہ سلف کا مسلک بیان کیا ہے جو اس کی تدفین سے قبل بیٹھنا صحیح نہیں سمجھتے تھے (روایات ۷۹۳-۸۰۰) پھر اس کی تائید میں احادیث نبوی پیش کی ہیں اور ان کی تائید دوسرے محدثین سے بھی ہوتی ہے جیسے روایت ۸۰۱-۸۰۵ جس کو بخاری مسلم، نسائی، ترمذی اور احمد نے بھی بیان کیا ہے جبکہ روایت ۸۰۶ ایک طرق سے حاکم میں ہے اور روایت ۸۰۷ جو روایت سابقہ کی دوسری شکل ہے بخاری اور مسند احمد میں ہے۔ روایت ۸۰۸ مسلم، ابوداؤد، احمد اور حاکم میں ہے۔

بعض صحابہ کرام اور دوسرے ائمہ سلف سے تدفین سے قبل بیٹھنے کا جواز بھی مروی

ہے۔ ایسی مرویاتِ طبری کی تصدیق بھی دوسرے محدثین سے ہوتی ہے جیسے روایت ۸۲۵-۷ مسلم، ترمذی، تاریخ کبیر میں ہے، جبکہ ۸۲۸-۹ صرف موخرالذکر میں ہے اور روایت ۸۳۰-۱ مسلم اور ابن ماجہ میں ہے۔ اس سے قبل اور احادیث کے دوران علماء و فقہاء کا مسلک اور ان کی تائیدی روایات بیان کی ہیں (۸۰۹-۲۴)

اسی سے ایک حکم یہ نکالا ہے کہ جنازے کے احترام میں کھڑا ہونا سنت ہے۔ پھر اس کے ترک کا حکم نبوی بیان کیا ہے اور قیام کے مخالف اہلِ علم کا مسلک بیان کیا ہے کہ اس کی نظیر زندوں کے باب میں ملتی ہے کہ ان کے لیے کھڑا ہونا خلاف سنت ہے۔ اس سے متعلق مرویات صحیح احادیث نبوی اور علماء سلف کے آثار پیش کیے ہیں۔ احادیثِ طبری کی تائید دوسرے محدثین کی روایات سے بھی ہوتی ہے جیسے روایت/حدیث ۸۳۳ ابوداؤد، ابن ماجہ وغیرہ میں ہے اور حدیث ۸۳۴ ترمذی بخاری (الادب المفرد) اور طحاوی کے مشکل الآثار میں ہے۔ پھر امام طبری نے اپنا مسلک بیان کیا ہے کہ تدفینِ میت سے قبل بیٹھنے اور کھڑے رہنے دونوں کی اجازت ہے کیونکہ آپ سے دونوں فعل مروی ہیں۔ پھر سنتِ اموات اور سنتِ احیاء کے باب میں اختلاف کا ذکر کر کے اس کے قیاس/علت کو "واہیہ" بتایا ہے اور متعدد روایات تعظیم احیاء کے باب میں نقل کی ہیں جن میں قیام و قعود دونوں کا ذکر ملتا ہے۔ جیسے روایت ۸۳۵-۶ نہی قیام کے باب میں ہے اور اس کی تائیدی روایات اوپر گذر چکیں جبکہ اجازت قیام کی روایت ۸۳۷ کی تائید طحاوی، مجمع الزوائد وغیرہ سے ملتی ہے۔ اس کے بعد قیام کی ممانعت کے باب میں کئی روایات نقل کی ہیں جیسے ۸۳۸-۹ جو طحاوی میں ہے۔ روایت ۸۴۰-۴۲ ابوداؤد، ترمذی، احمد اور طحاوی میں ہے اور ان کو قیام کی دلیل بنانے والوں کی تردید میں کہا ہے کہ یہ صحیح نہیں ہے بلکہ متعدد سلف قیام بزرگان کے قائل تھے (روایات ۸۴۳-۴)۔ امام طبری نے اس باب میں حضرت معاویہ بن ابی سفیان اموی کی متعدد روایات و آثار سے استشہاد کیا ہے (۸۴۰-۴۳)

امام طبری نے اصل حدیثِ نبوی ۸۱۷-۲۲ میں عذابِ قبر کا ذکر کر کے اس کی تائیدی احادیث و روایات پیش کی ہیں۔ ان میں سے متعدد مرویاتِ طبری

کی تائید دوسرے محدثین کی مستند روایات سے ہوتی ہے جیسے ۸۴۵-۷ بخاری، نسائی، ترمذی اور احمد میں ہے، روایت ۸۴۸-۵۲ ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ ابن حبان احمد وغیرہ میں ہے، روایت ۸۵۳-۴ مختلف طرق سے بخاری، مسلم، ابوداؤد اور نسائی میں ہے۔ جبکہ روایت ۸۵۵-۷ نسائی اور ترمذی وغیرہ میں ہے اور روایت ۸۵۸ نسائی اور ابن حبان میں روایت ۸۹۹-۶۱ کسی میں نہیں ہے البتہ روایت ۸۶۲ نسائی اور احمد میں، روایت ۸۶۳-۴ احمد اور بخاری (تاریخ کبیر) میں روایت ۸۶۵ مجمع الزوائد میں، روایت ۸۶۶-۷ بخاری، مسلم اور نسائی میں، روایت ۸۶۸ نسائی میں، روایت ۸۶۹ مسلم ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ میں، روایت ۸۷۰-۷۳ مسلم، نسائی، ترمذی اور احمد میں ہے۔ پھر آثار صحابہ ہیں ۸۷۴-۷ ان میں سے بعض نسائی، ترمذی، احمد اور تاریخ بخاری میں ہیں۔ (۸۷۴) جبکہ روایت ۸۷۸-۹ بخاری مسلم، نسائی اور احمد میں ہے روایت ۸۸۰ بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی، ترمذی ابن ماجہ وغیرہ میں ہے۔ روایت ۸۸۱ بلا تائید ہے مگر روایت ۸۸۲-۳، بخاری مسلم، نسائی اور احمد میں ہے۔ روایت ۸۸۴ بخاری، مسلم، نسائی اور احمد میں ہے اور روایت ۸۸۵ مسند احمد اور مجمع الزوائد میں۔ روایت ۸۸۶-۷ بخاری اور نسائی میں مفصل ہے۔ جبکہ اسی کی اگلی صورت ۸۸۸ صحیحین اور احمد میں ہے۔ اسی طرح روایت ۸۸۹-۹۵ ابوداؤد کے سوا تمام صحاح ستہ میں اور احمد میں ہے۔ روایت ۸۹۶ احمد طبرانی، حاکم، مجمع الزوائد اور سیرۃ ابن ہشام میں موجود ہے۔ روایت ۸۹۷ احمد اور ہیثمی کی مجمع الزوائد وغیرہ میں ہے، روایت ۸۹۸-۹۰۲ مختلف طرق سے بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی، ترمذی، ابن ماجہ اور احمد میں ہے۔ روایت ۹۰۳ احمد اور مجمع الزوائد میں ہے اور ۹۰۴ احمد، نسائی، ابن حبان اور مسلم وغیرہ میں ہے۔

اسی سے متعلق امام طبری نے موت کے وقت ملائکہ کے نزول اور مسلم کے لیے بشارت و مغفرت سے متعلق روایات و احادیث نقل کی ہیں جن کی تصدیق متعدد اہم محدثین کرام سے ہوتی ہے جیسے روایت ۹۰۶ بخاری، مسلم نسائی اور ترمذی میں ہے۔ اس میں یہ ذکر ہے کہ جو شخص اللہ کی ملاقات پسند کرتا ہے اللہ بھی اس کی ملاقات کو محبوب رکھتا ہے اور جو ناپسند کرتا ہے اللہ اس

پر غیظ و غضب نازل کرتا ہے اور اس کو ناپسند کرتا ہے۔ اس کی تائید میں مختلف ائمہ سلف کی روایت نقل کی ہے (۹۰۷)۔

امام طبری کی حدیث ۱۶ کا تعلق شعر کی مذمت سے ہے جس کی تائید مجمع الزوائد سے ہوتی ہے اور ۹۰۸ کا بھی اسی روایت سے تعلق ہے۔ بقیہ روایات طبری کی تصدیق معتبر ائمہ حدیث سے ہوتی ہے جیسے روایت ۱-۹۰۹ مسلم، ترمذی، ابن ماجہ اور احمد میں ہے۔ روایت ۲-۹۱۱ بخاری (صحیح اور الادب المفرد)، دارمی، احمد اور مجمع الزوائد میں ہے۔ روایت ۴-۹۱۳ بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، ابونعیم میں اور روایت ۶-۹۱۵ مسلم و احمد، تاریخ کبیر بخاری اور مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے، جبکہ روایت ۹۱۷ بخاری کی صحیح والادب المفرد میں ہے۔ امام طبری نے اس کے بعد ان روایات کا ذکر کیا ہے جو روایاتِ سابقہ کی معارض ہیں اور جن سے شعر گوئی کی تعریف اور اجازتِ نبوی ملتی ہے۔ ان روایات کی تائید بھی دوسرے محدثین سے ہوتی ہے جیسے روایت ۹-۹۱۸ احمد اور مجمع الزوائد میں ہے اور روایت ۲۴-۹۲۰ صحیحین، احمد اور مجمع الزوائد میں ہے۔ روایت ۹۲۵ صحیحین، نسائی اور احمد میں ہے اور روایت ۸-۹۲۶ ابوداؤد، ترمذی، مسند احمد میں اور دوسرے طرق سے مسلم اور بخاری (الادب المفرد) میں ہے جبکہ روایت ۹۲۹ کچھ اختلاف کے ساتھ مسلم میں، ۹۳۰ مجمع الزوائد میں اور ۹۳۲ اس کے علاوہ موارد الظمآن اور مسند میں ہے۔ روایت ۹۳۳ ترمذی اور مصنف ابن ابی شیبہ میں اور ۹۳۴ مجمع الزوائد بخاری (الادب المفرد) مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے اور روایات ۷-۹۳۵ مسلم، ابن ماجہ احمد اور بخاری (الادب المفرد) میں ہے۔ جبکہ روایت ۹۳۸ روایت ۹۲۱ کی تکرار ہے۔ اس کے بعد شعر گوئی کے جواز کے بارے میں آثار سلف نقل کیے ہیں (۴۶-۹۳۹) اور ان میں سے بعض کی تائید دوسرے مآخذ سے ہوتی ہے جیسے روایت ۴-۹۴۳ بخاری کے ادب مفرد اور مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے۔ اس کے بعد وہ روایات نقل کی ہیں جو شعر گوئی کی بالکل ممانعت کرتی ہیں۔ ان میں سے کئی دوسرے مآخذ میں پائی جاتی ہیں جیسے ۹۴۷ ابوداؤد، احمد کے علاوہ ابن عبدالحکم اور ابونعیم کے ہاں ہے۔ روایت ۵۲-۹۴۸ ابوداؤد، ابن ماجہ، ابن حبان اور احمد میں ہے جبکہ

۹۵۳ مجمع الزوائد میں۔ اسی طرح ۹۵۴ ۹۴۸-۵۲ میں گزر چکی۔ روایت ۹۵۵ ابن ماجہ، ابن حبان، احمد وغیرہ میں ہے۔ پھر مذمت شعر میں آثار سلف وخلف نقل کیے ہیں (۹۵۶-۶۷) آخر میں امام طبری نے اپنا مسلک بیان کیا ہے اور اس کی تائید میں روایات واخبار نقل کی ہیں جن میں سے اکثر کی تائید دوسرے محدثین سے ہوتی ہے جیسے ۹۶۸-۷۲ مصنف ابن ابی شیبہ، بخاری، مسلم، ترمذی، ابن ماجہ اور احمد میں مختلف طرق سے مروی ہے، جبکہ ۹۷۳ ترمذی، بخاری (ادب مفرد)، احمد اور مجمع الزوائد میں ہے اور روایت ۹۷۴ صرف مصنف ابن ابی شیبہ اور مجمع الزوائد میں ہے اور روایت ۹۷۵-۶ ابن عبدالبر کی الاستیعاب وغیرہ میں ہے، روایت ۹۷۷ ابن سعد میں ہے اور ۹۷۸ مجمع الزوائد اور ابن ہشام میں ہے۔ آثار واقوالِ سلف ۹۸۰-۱۰۰۱ ہیں جن میں شعر گوئی کی اجازت اور عمل سلف کا ذکر ہے۔

حدیثِ طبری ۱۷ کا تعلق رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فقر وفاقہ کشی سے ہے جس کی تائید مسلم، ترمذی، ابن ماجہ طیالسی اور احمد نے کی ہے۔ اس کی تائیدی روایات پھر امام طبری نے پیش کی ہیں اور ان کی بھی توثیق دوسرے علماء ومحدثین سے ہوتی ہے مثلاً روایت ۱۰۰۲ مسلم، ترمذی اور احمد میں ہے جس کا ذکر اوپر گذر چکا ہے، جبکہ روایت ۱۰۰۳-۷ مختلف طرق سے ترمذی، احمد اور ابن ماجہ میں، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹ مسلم، بخاری وغیرہ میں ہے اور ۱۰۱۰ احمد میں، ۱۰۱۱ مسلم وغیرہ، ۱۰۱۲ مسلم، ۱۰۱۳-۶ بھی اسی طرح مذکورہ بالا میں آئی ہے۔ روایت ۱۰۱۸ بخاری، مسلم میں ہے اور روایات ۲۲-۱۰۱۹ مختلف محدثین کے ہاں موجود ہیں جن کا ذکر مسند ابن عباس میں ہے، روایت ۱۰۲۳ بخاری میں ہے، روایت ۱۰۲۴ ترمذی کی شمائل اور ابو نعیم کی حلیہ میں ہے، روایت ۱۰۲۵-۲۶ مسلم، ترمذی اور ابن ماجہ میں ہے۔ روایت ۱۰۲۷ مسلم میں دوسرے طرق اور الفاظ کے اختلاف کے ساتھ ہے، ۱۰۲۸ ترمذی میں مفصل ہے اور حضرات ابوہریرہ اور ابن عباس سے دوسرے میں مروی ہے، روایت ۱۰۲۹-۳۰ دوسرے طرق سے مسند احمد میں ہے اور اس جیسی ابن سعد، طبرانی، ابن حبان، حاکم، ابو نعیم، ابن الاثیر اور مجمع الزوائد میں ہے۔ روایت ۱۰۳۱-۲ بخاری، مسلم، ترمذی، احمد اور ابو نعیم میں ہے۔ روایت ۱۰۳۳ صحیحین کے علاوہ ترمذی اور سیوطی میں ہے اور مؤخر الذکر کے بقول مذکورہ بالا

محدثین کرام کے علاوہ ابن ابی شیبہ، نسائی، ابن المنذر، حاکم، ابن مردویہ اور بیہقی نے بھی روایت کیا ہے۔

امام طبری نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فقر و فاقہ کشی سے متعلق روایات واحادیث کو صحیح قرار دینے کے بعد ان کا تعارضِ ظاہری ان صحیح اور مسلم روایات اور ناقابلِ تردید واقعات سے دکھایا ہے جو سیرت نبوی میں نظر آتے ہیں۔ پھر ان دونوں قسم کی متناقض روایات کے درمیان تطبیق کی ہے کہ یہ دونوں ایک زمانہ کی حالت کو بیان نہیں کرتیں بلکہ دو مختلف احوال کو تعبیر کرتی ہیں اور بتاتی ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے بہت سے اصحاب کرام صاحب مال و غنا اور مالکِ وسائلِ حیات تھے مگر ان کے بے کراں جود و کرم اور بے پناہ بخشش و عطا کے سبب ان پر پیغمبری وقت اکثر آن پڑتا تھا۔ پھر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اقوال وارشادات مبارکہ اور اپنے اعمال وسننِ مقدسہ کے ذریعہ اپنی امت کو جود و کرم اور بخشش و عطا اور فیاضی و سخاوت کا حکم دیتے رہتے تھے جس کے سبب فقر و فاقہ کے احوال طاری ہو جاتے تھے۔ اس کی تصدیق و تائید کے لیے امام طبری نے جود و کرم، قلت و قناعت اور صبر و توکل سے متعلق آپ کے ارشادات وسنن اور صحابہ کرام اور سلفِ عظام کے آثار و اقوال بیان کیے ہیں۔ ان میں سے بیشتر دوسرے محدثین و مورخین کے ہاں بھی کسی نہ کسی صورت میں پائے جاتے ہیں۔ جیسے روایت ۱۰۳۴ء اور ۱۰۳۵ء ابن ماجہ میں ہے اور موخر الذکر میزان الاعتدال اور لسان المیزان میں بھی ہے جبکہ ۱۰۳۶-۷ء ابن ماجہ کے علاوہ احمد میں بھی ہے۔ آثارِ صحابہ و تابعین (۱۰۳۸-۵۳ء) تک وسیع ہیں اور ان کی تصدیق بھی ملتی ہے مثلاً روایت ۱۰۴۲ء لسان العرب (مادہ لوث) میں موجود ہے یا ۱۰۴۳-۷ء تاریخ کبیر بخاری میں ہے روایت ۱۰۴۹-۵۰ء حلیۃ الاولیا میں ہے۔

حدیثِ طبری ۱۸-۲۳ء کا مرکزی موضوع ہے: الذهب بالذهب ربًا الا هاء وهاء، والتمر بالتمر ربًا الا هاء وهاء، والشعير بالشعير ربًا الا هاء وهاء (سونے کا تبادلہ سونے سے، کھجور کا کھجور سے اور جو کا جو سے سود ہے مگر یہ کہ وہ برابر سرابر ہو) ان کی تصدیق صحاح ستہ میں پوری طرح ملتی ہے اور ان کے علاوہ احمد اور حمیدی میں بھی۔ امام مالک کی مؤطا میں بھی اس کی تائید موجود ہے۔ امام طبری نے اس

مرفوع حدیثِ نبوی کو حضرت عمرؓ پر موقوف کرنے اور اس کو قول/ اثرِ عمر بتانے والوں کی روایات ذکر کرنے کے بعد (۶۵-۱۰۵۴ء) ان مرفوع احادیث کا ذکر کیا ہے جو حضرت عمر کی مذکورہ بالا مرفوع حدیث کی تصدیق و موافقت کرتی ہیں اور جن کو صحابہ کرام کی ایک جماعت نے روایت کیا ہے۔ ان میں سے زیادہ تر کی تائید دوسرے محدثین کرام کی مرویاتِ مستند سے ہوتی ہے۔ مثلاً روایت ۱۰۶۶ء حاکم میں ہونے کے علاوہ ابن ماجہ میں اسی سند سے ہے، روایت ۱۰۶۷ء دوسرے الفاظ و طرق سے بخاری مسلم، نسائی اور حمیدی میں ہے۔ جبکہ روایات ۷۹-۱۰۶۸ء کا مدار حضرت مولیٰ ابن عمر پر ہے اور وہ ایک ہی حدیث ہیں لیکن ان کے طرق و الفاظ مختلف ہیں (ملاحظہ ہو ۱۰۶۱ء) یہ روایت مختصر یا مفصل بخاری، مسلم، نسائی، ترمذی اور مالک اور احمد نے بھی روایت کی ہے۔ اس کے علاوہ روایت ۱۰۸۰ء اثرِ عمر ہے جبکہ حدیث ۱۰۸۱ء مکرر ہے (۱۰۶۶ء) اور حدیث ۱۰۸۲ء بیہقی کی سنن میں بھی ہے۔ روایت ۴-۱۰۸۳ء مسند احمد میں ہے۔

امام طبری نے اس کے بعد علماء و فقہاء کے اختلاف اور اس سے متعلق ان کے اقوال و فتاویٰ کا ذکر کیا ہے (روایات ۹۰-۱۰۸۵ء صحابہ و تابعین کے علاوہ فقہاءِ اولین جیسے مالک، اوزاعی، ثوری، ابوحنیفہ، زفر، ابویوسف، محمد، شافعی کا یہی مسلک ہے، پھر روایات ۱۰۹۱ء میں دوسرا مسلک اور ان کی روایات و اقوال ہیں جن میں صرف حضرت ابوہریرہؓ کی ایک روایت ہے۔ پھر امام مالک نے اپنا مسلک بیان کیا ہے اور عقلی دلائل کے علاوہ نقلی دلائل میں روایت ۱۰۹۲ء نقل کی ہے جو نسائی ابن ماجہ اور احمد میں بھی ہے۔ پھر اصل حدیث عمر ۲۳-۱۸ء کے احکام صرف پر بحث کامل کی ہے۔ غریب الفاظ کی تشریح میں مشہور حدیث ام زرع سے استشہاد کیا ہے جو صحیحین میں موجود ہے۔

حدیثِ طبری ۵-۲۴ء کا مفہوم ہے کہ اگر کسی شخص کی رات کی نماز تلاوت کا کوئی حصہ چھوٹ جائے اور وہ اسے فجر و ظہر کے درمیان پڑھ لے تو اسے رات کی ہی عبادت لکھا جائے گا۔ یہ حدیث مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ اور احمد میں موجود ہے۔ پھر امام طبری نے وہ روایات (۹۷-۱۰۹۳ء) نقل کی ہیں جو اس حدیث کو اثر موقوف عمر بناتی ہیں اس حدیث سے فقہی حکم کے استنباط کے

بعد دوسرے آثار سلف دئے ہیں۔ (۱۱۰۳-۱۰۹۸) اور پھر دوسری احادیث مرفوعہ سے اصل حدیث عمر کی تائید فراہم کی ہے اور ان میں سے بھی زیادہ تر احادیث دوسرے ماٰخذ میں موجود ہیں جیسے روایت ۱۱۰۴-۵ ابوداؤد اور ابن ماجہ کے علاوہ احمد میں بھی ہے روایت ۱۱۰۶ ترمذی اور احمد نے نقل کی ہے۔ جبکہ ۱۱۰۷-۸ میں امام طبری کے بقول کچھ اسنادی ضعف ہے تاہم وہ ابوداؤد، ابن ماجہ اور احمد میں ہے۔ امام طبری کی اسناد پر تنقید بہت اہم ہے اگرچہ اس کی وضاحت یہاں نہیں ہے۔

حدیث طبری ۲۸-۲۶ کا مرکزی موضوع قرآن مجید کے سبعۃ احرف پر نزول ہے اور اس میں سورۂ فرقان پر حضرت عمرؓ اور حضرت ہشام بن حکیم کے اختلاف قرارت کا ذکر ہے۔ امام طبری نے اس پر یہاں بحث نہیں کی ہے بلکہ اس کے لیے اپنی تفسیر کا حوالہ دیا ہے۔ لیکن حدیث تمام بڑی کتب احادیث میں خاص کر بخاری، ترمذی میں موجود ہے۔

حدیث طبری ۲۹ کا مرکزی موضوع قرآن کے ذریعہ کچھ اقوام کی سربلندی اور کچھ کی پستی عطا کرنا ہے۔ یہ حدیث مسلم، ابن ماجہ اور احمد میں موجود ہے۔ روایت ۱۱۰۹ میں اس مرفوع حدیث کو حضرت عمر سے حضرت عمرو بن واثلہ کے ذریعہ روایت کیا گیا ہے۔ وہ مسند احمد میں عامر بن واثلہ سے مروی ہے۔ اس سے فقہی حکم کا استنباط کرنے میں امامت کے بارے میں ایک حدیث مرفوع نقل کی ہے جو مسلم، ابوداؤد اور ترمذی میں بھی ہے۔

حدیث طبری ۳۰-۳۴ ہے:

انما الاعمال بالنیۃ، وانما	اعمال کا دار و مدار نیت پر ہے
لامرئ مانوی، فمن کانت	جس شخص کی ہجرت اللہ اور اس کے
ھجرتہ الی اللہ ورسولہ، فھجرتہ	رسول کے حکم کی تعمیل میں ہوگی اس
الی اللہ ورسولہ، ومن کانت	کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول ہی کے
ھجرتہ لدنیا یصیبھا او	لیے ہوگی اور جس کی ہجرت کا مقصد دنیا
امراۃ یتزوجھا، فھجرتہ	حاصل کرنا یا کسی عورت سے نکاح کرنا ہوگا
الی ماھاجر الیہ	اس کی ہجرت اسی راہ میں ہوگی۔

یہی روایت مختلف الفاظ وطرق سے بخاری کے مختلف ابواب میں ہے مسلم، ابوداؤد نسائی، ترمذی اور احمد میں بھی ہے۔ امام طبری نے اس سے فقہی احکام کا استنباط کر کے اپنا مسلک واضح کیا ہے اور اعمال کے نیت پر مبنی ہونے کا فتویٰ دے کر اس سے متعلق دوسری احادیث وروایات نقل کی ہیں۔ ان کی تصدیق بھی دوسرے مآخذ سے ہوتی ہے۔ جیسے روایت ۱۱۱۱-۳ مسلم، ابن ماجہ اور احمد نے، روایت ۱۱۱۵-۶ مسلم، ترمذی، نسائی وغیرہ نے، روایت ۱۱۱۷ حاکم نے، روایت ۱۱۱۸ اور ۱۱۱۸م ابن ماجہ نے، روایت ۱۱۱۹ حاکم نے روایت کی ہے جبکہ روایت ۱۱۱۴ اور ۱۱۲۰ کی تائید نہیں مل سکی۔ اس کے بعد امام طبری نے صحابہ و تابعین کے آثار نقل کیے ہیں (۱۱۲۱-۳۲ اور ۱۱۳۳) پھر ان کی متصادم احادیث مرفوعہ نقل کی ہیں جیسے روایت ۱۱۳۴-۴۰ جو حضرت ابوہریرہ سے مرفوعاً منقول ہے (ترمذی، بخاری (تاریخ کبیر میں ہے) روایت ۱۱۴۱-۴۳ آثار صحابہ وسلف پر مبنی ہے۔

حدیث طبری ۳۵ کا مرکزی نقطہ ہے کہ امر الٰہی کے آنے تک امتِ محمدی کا ایک گروہ ہمیشہ حق پر اور نصرتِ الٰہی کا مستحق رہے گا۔ امام حاکم نے اسی سند سے اس روایت کو نقل کیا ہے اور ہیثمی نے مجمع الزوائد میں کچھ اختلاف کے ساتھ روایت کیا ہے۔ امام طبری نے پھر اس خبر/حدیث کو دوسرے رُواۃ کی سند پر نقل کیا ہے۔ ان میں روایت ۱۱۴۴ حاکم اور بخاری (تاریخ کبیر) میں ہے۔ روایت ۱۱۴۵-۶ کی تائید محدثین نہیں ملتی جبکہ روایت ۱۱۴۷-۵۲ مختلف طرق سے مسلم اور احمد، بخاری اور احمد، احمد اور شیخین اور احمد نے چار طرق سے نقل کی ہے روایت ۱۱۵۳ ابن ماجہ، ابن حبان، احمد اور مجمع الزوائد میں ہے۔ روایات ۱۱۵۴-۶ صحیحین اور احمد میں ہے۔ روایت ۱۱۵۷ مسلم میں مفصل ہونے کے علاوہ ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، احمد اور حاکم میں ہے۔ روایت ۱۱۵۸ احمد اور مجمع الزوائد میں ہے۔ جبکہ روایات ۱۱۵۹-۶۲ ابوداؤد، احمد اور حاکم میں ہے اور روایت ۱۱۶۳ نسائی اور احمد میں اور روایت ۱۱۶۴ مسلم کے دو کتب میں ہے۔

ان احادیث واخبار کی تشریح میں امام طبری نے معترضین کے اعتراض کو دور کرتے ہوئے ان دوسری روایات کو پیش کیا ہے جو یہ بتاتی ہیں کہ قیامت اس وقت آئے گی حیب اللہ کہنے والا کوئی نہ ہوگا۔ بظاہر ان دونوں قسم کی روایات میں تضاد نظر آتا ہے۔ یہ روایات بھی دوسری کتب حدیث میں ملتی ہیں۔ روایت ۱۱۶۵-۷ ترمذی اور مجمع الزوائد میں، روایت ۱۱۶۸ حاکم میں، روایت ۱۱۶۹ روایت ۱۱۶۹ روایت ۱۱۴۴ کی تکرار ہے، روایت ۱۱۷۰-۷۲ بخاری اور احمد میں ہے، روایت ۱۱۷۳ احمد وحاکم اور مجمع الزوائد میں، روایت ۱۱۷۴ مسلم، ترمذی، ابن ماجہ اور احمد میں مفصل آئی ہے، روایت ۱۱۷۵ مسلم میں ہے جبکہ روایت ۱۱۷۶ بلا تائید ہے۔ امام طبری نے ان روایات پر بحث کر کے ان کے درمیان تطبیق دی ہے۔ تشریح الفاظِ غریبہ میں بھی ان کی بعض روایات کی تائید احمد اور ابن ماجہ وغیرہ سے ہوتی ہے۔

حدیثِ طبری ۳۶ کے دو اہم نکتے ہیں۔ اول شکار کو مارنے سے قبل اگر اس میں خون نظر آئے تو کھانا چاہیے یا نہیں؟ اور دوم ہر ماہ کے تین روزے۔ چاندنی راتوں۔ تیرہ تا پندرہ۔ رکھنا مسنون ہیں۔ طبری کی اس روایت کی تائید حمیدی، نسائی، طیالسی، عبد الرزاق، احمد، بخاری (کی تاریخ کبیر) اور مجمع الزوائد سے ہوتی ہے کچھ اختلاف کے ساتھ دوسرے رواۃ سے مروی روایات طبری میں سے روایت ۱۱۷۷ بلا تائید ہے مگر روایت ۱۱۷۸ نسائی میں حضرت ابی بن کعب سے مروی ہے۔ روایت ۱۱۷۹ احمد میں دوسرے طریق سے ہے، روایت ۱۱۸۰ مرسل ہے، روایت ۱۱۸۱ اختلاف کے ساتھ نسائی میں ہے اور روایت ۱۱۸۲ نسائی کے علاوہ ترمذی میں ہے۔ یہ دونوں مسائل سے متعلق روایات طبری ہیں۔

پھر حضرت عمرؓ سے جن صحابہ کرام نے اپنی مرویات میں مسئلہ اول پر اتفاق کیا ہے ان کو امام طبری نے بیان کیا ہے۔ ان میں سے روایت ۱۱۸۳-۴ اسی انداز سے بخاری میں مختلف طرق سے ہے۔ وہ مسلم، نسائی، ترمذی، ابن ماجہ اور احمد میں بھی ان کی اسناد کے ساتھ موجود ہے۔ روایت ۱۱۸۵ ابوداؤد اور بیہقی میں، روایت ۱۱۸۶ تاریخ کبیر بخاری اور ابن ماجہ میں، روایت ۱۱۸۷ ترمذی میں، اور روایت ۱۱۸۸-۹۵ بخاری (کبیر) ابو داؤد، نسائی، ابن ماجہ اور احمد میں ہیں اس کے بعد امام طبری نے صحابہ اور سلف کے

آثار نقل کیے ہیں (ے ۱۱۹۶-۹۹ کراہت میں، ے ۱۲۰۰-۹ اجازت میں) اور مختصراً ان کے دلائل دئے ہیں۔

پھر ہر ماہ تین دنوں کے روزوں کے بارے میں روایات نقل کی ہیں اور اس موضوع کے سلسلے میں اہلِ علم کا اختلاف بیان کیا ہے۔ پہلے ان ائمہ سلف کے مسلک کا ذکر کیا ہے جو چاندنی راتوں۔ تیرہ، چودہ اور پندرہ ۔ کے روزوں کو مسنون سمجھتے ہیں (روایات ے ۱۲۱۰-۱۸) ان میں سے روایت ے ۱۲۱۳ عبد الرزاق اور نسائی نے بھی بیان کی ہے۔ دوسرا مسلک یہ ہے کہ ہر ماہ کے ایک دوشنبہ اور دو جمعراتوں کا روزہ رکھنا مسنون ہے جیسا کہ روایت ے ۱۲۱۹ میں حضرت ام سلمہ سے مروی ہے۔ اس کی تائید دوسرے مآخذ سے نہیں ملتی۔ دوسرا مسلک یہ ہے کہ ایک ماہ میں شنبہ، یکشنبہ اور دوشنبہ کا روزہ رکھا جائے اور دوسرے ماہ سہ شنبہ چہار شنبہ اور پنج شنبہ کا۔ (اثر حضرت عائشہ ے ۱۲۲۰) تیسرا حضرت حسن بصری کا مسلک ہے جو ہر ماہ کے پہلے تین دنوں کا روزہ رکھا کرتے تھے اور اس کی تعلیم بھی دیتے تھے (روایت ے ۱۲۲۱) اور چوتھا مسلک حضرت ابراہیم نخعی کا ہے جو ہر ماہ کے آخری تین دنوں کا روزہ رکھا کرتے تھے (روایت ے ۱۲۲۲)

ان تمام مسالک کے عقلی دلائل دے کر ہر ایک کی تائیدی روایات الگ الگ دیتے ہیں۔ ہر ماہ کے شروع کے تین دنوں میں روزہ رکھنے کی روایات ے ۱۲۲۳-۵ ابوداؤد، نسائی، ترمذی، اور احمد میں ہے۔ آخر دنوں کے قائلین کی روایت کوئی نہیں دی ہے۔ امام طبری نے ان تمام روایات میں تطبیق دے کر ان کی تصحیح کی ہے۔ غریب الفاظ کی تشریح میں امام طبری نے جن روایات و اخبار سے استشہاد کیا ہے ان میں سے بعض دوسرے اہم مآخذِ حدیث میں موجود ہیں۔ مثلاً رسول اکرمؐ ازہر اللون (خوش رنگ) تھے۔" کی روایت بخاری میں بھی موجود ہے اسی طرح حضرت موسیٰ اشعریؓ کی روایت بھی صحیح بخاری میں ہے۔

حدیث طبری ے ۳۷ شیخ / شیخہ کے رجم کرنے کے بہت اہم مسئلہ سے متعلق ہے۔ وہ احمد، حاکم، دارمی، بیہقی اور بقول ابن حجر نسائی میں بھی ہے۔ امام طبری نے اس اہم حدیث کی دوسری مرویاتِ صحابہ کرام سے تصدیق فراہم کی ہے۔ ان میں سے

اخبار ۱۲۲۶-۳۱ بسند حضرت ابی بن کعب مختلف طرق سے مروی ہے اور وہ طیالسی واحمد کے مسانید، بیہقی کی سنن اور حاکم کی مستدرک میں بھی ہے، روایت ۱۲۳۲ بسند مذکور اور روایت ۱۲۳۳ بسند حضرت کثیر بن الصلت دونوں مکرر ہیں اور بلا تائید۔ امام طبری نے اس کے فقہی احکام و مسالک کا ذکر کر کے "رجم زانی" سے متعلق کئی روایات نقل کی ہیں۔ ان میں سے روایت ۱۲۳۴ احمد میں روایت ۱۲۳۵ کسی حد تک مسلم میں، اور روایت ۱۲۳۷ سنن بیہقی میں ہے، جبکہ ۱۲۳۶ اثر عمر رضی اللہ عنہ ہے۔

حدیث طبری ۴۳-۳۸ کا مفہوم یہ ہے کہ مشرکین (جمع / مزدلفہ سے) اس وقت واپس ہوتے جب سورج ثبیر کی پہاڑیوں کو روشن کر دیتا مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی مخالفت میں طلوع شمس سے قبل ہی لوٹنے لگے تھے۔ یہ حدیث بخاری، ابوداؤد نسائی، ترمذی، ابن ماجہ، احمد اور طیالسی میں ہے۔ اس کی تائید میں امام طبری نے دوسرے صحابہ کرام کی متعدد مرویات پیش کی ہیں۔ ان میں سے روایت ۱۲۳۸-۹ ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ اور احمد میں مختلف طرق سے ہے، روایت ۱۲۴۰ ترمذی اور احمد میں ہے، روایت ۱۲۴۱ احمد میں ہے، روایت ۱۲۴۲ ابن حجر نے نقل کر کے ابن خزیمہ اور طبری کی طرف منسوب کی ہے اور ہیثمی کی مجمع الزوائد میں بھی ہے۔ روایت ۱۲۴۳ بلا تائید ہے، روایت ۱۲۴۴ مسلم، ابوداؤد اور ابن ماجہ کی طویل حدیث کا ایک جزو ہے، اخبار ۱۲۴۵-۷ مجمع الزوائد میں ہیں۔ غریب الفاظِ حدیث کی تشریح میں امام طبری نے جن روایات سے استشہاد کیا ہے ان میں سے ایک: انہ نھی عن ان یضحی بشرقاء (آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کان کٹے جانور کی قربانی سے منع کیا ہے) سنن ابی داؤد، نسائی اور ترمذی میں موجود ہے۔

حدیث ۴۶-۴۳ کا اصل نکتہ ذوالحلیفہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دو رکعات پڑھنے سے متعلق ہے۔ پھر دورانِ سفر نماز قصر کرنے سے متعلق مختلف روایات دی ہیں۔ اول مسلک یہ ہے کہ مدینہ اور ذوالحلیفہ کے درمیانی مسافت پر نماز قصر نہیں کی جا سکتی۔ اس کی تائیدی روایاتِ طبری میں زیادہ تر آثار صحابہ و تابعین ہیں (۱۲۴۸-۸۵) جن کا تعلق مختلف مسافتوں اور ان کے سبب نماز قصر کرنے سے ہے ان پر بحث کر کے

پھر ان احادیثِ مرفوعہ کا ذکر کیا ہے جو قصر سے متعلق رسول اکرم سے مروی ہیں۔ روایات ۱۲۸۶-۹۱ بسند حضرت انس بن مالکؓ متعدد کتبِ احادیث میں موجود ہیں جیسے روایت ۱۲۹۲-۳ کی تائید نہیں مل سکی۔ روایات ۱۲۹۴-۱۳۰۱ آثارِ حضرت علی ہیں۔ اسی طرح بعد کی روایات بھی ۱۳۰۲-۱۱ آثارِ سلف ہیں۔ البتہ غریب الفاظ کی تشریح میں امام طبری کی تشریح "جبشر" میں نقل کردہ حدیث نبوی مسلم، نسائیؒ، ابن ماجہ اور احمد میں ہے۔

حدیثِ طبری ۴۸ حضرت عمرؓ کی اس وصیت سے متعلق ہے جس کے مطابق انھوں نے خلیفہ سوم کے انتخاب کے لیے چھ صحابہ کرام پر مشتمل مجلسِ شوریٰ / انتخاب بنادی تھی۔ وہ امام بخاری اور حافظ ابن حجر نے مفصل نقل کی ہے۔ امام طبری نے اپنی حدیث / روایت اصلی دو تائیدی روایت ۱۳۱۲-۴ نقل کی ہیں مگر ان کی تصدیق دوسروں سے نہیں ہوسکی۔ اسی طرح دوسری مرویاتِ طبری جو تائید میں نقل کی ہیں (۱۳۲۵-۲۷) بھی بلا تائید ہیں۔ البتہ تلاش و تفحص سے ان کی تائید فراہم کی جاسکتی ہے۔

حدیثِ طبری ۴۹ کا مرکزی مسئلہ عہدِ فاروقی میں حضرت علی سمیت صحابہ کرام کے مشورہ پر گھوڑوں اور غلاموں پر زکوٰۃ عائد کرنے سے متعلق ہے۔ اس کی تائید احمد اور بیہقی سے ہوتی ہے۔ اس ضمن میں متعدد آثارِ عمرؓ نقل کیے ہیں (۱۳۲۸-۳۱)۔ پھر وہ احادیثِ مرفوعہ مختلف صحابہ کرام سے نقل کی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں پر زکوٰۃ نہیں عائد کی تھی۔ ان میں سے ایک اثرِ عمرؓ ۱۳۳۱ عبدالرزاق اور بیہقی نے نقل کیا ہے جبکہ روایت ۱۳۳۲-۳ ابن ماجہ اور احمد نے، روایت ۱۳۳۴-۶ ترمذی، ابوداؤد، نسائی اور احمد نے، روایت ۱۳۳۷-۴۹ بخاری، مسلم، ابوداؤد نسائیؒ، ترمذی، ابن ماجہ اور احمد نے روایت کی ہے۔ اس کے بعد اسی مفہوم کے آثارِ صحابہ وتابعین ہیں (۱۳۵۰-۶۵) اس کے بعد ان علماءِ سلف کی تائیدی روایات ہیں جو ان دونوں پر زکوٰۃ عائد کرتی ہیں (۱۳۶۶-۷۰)

مسندِ عمر کی آخری حدیث طبری ۵۰ جس کا مفہوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نشہ سے سرشار کو نماز پڑھنے سے روکا۔ یہ روایت ابوداؤد، نسائی، ترمذی اور احمد میں ہے۔ اس کے بعد یہ مسند ناقص رہ گئی ہے۔ اس لیے دوسری روایات اور مباحث نہیں ہیں۔

مسند عمر بن خطاب کی مانند مسند علی بن ابی طالب میں بھی امام طبری کی نقل کردہ مرفوع احادیث اور ان کی تائیدی روایات و آثار کا یکساں زریں سلسلہ ہے۔ اس مسند میں کل تینتالیس ۴۳ اصل احادیث ہیں اور ان کی تائیدی روایات و آثار کی تعداد ساڑھے چار سو کے قریب ہے۔ ان میں سے بیشتر احادیث مرفوعہ کی تائید و توثیق دوسرے محدثین کرام کی مرویات معتبرہ سے ہوتی ہے۔ ذیل میں ان کا تجزیہ پیش ہے۔

حدیث طبری ۱ ہے:

لا صَفَرَ، ولا هامةَ، ولا يُعْدِي سقيمٌ صحيحًا	نہ صفر کے مہینے میں کوئی نحوست ہے اور نہ الو میں اسی طرح کسی مریض کا مرض بذات خود کسی تندرست کو نہیں لگتا۔

وہ مجمع الزوائد میں بھی ہے۔ پھر دوسری دو سندوں سے مروی روایات اس کی تائید فراہم کی ہے مگر ان کی تصدیق دوسرے مآخذ سے نہیں ہوتی کیونکہ ان کی سند میں بقول طبری "نظر" ہے۔ اس کے بعد حضرت علیؓ کی اصل حدیث کی تائید میں دوسرے صحابہ کرام کی روایت کردہ احادیث نقل کی ہیں۔ ان میں سے روایات ۳-۶ (بسند ابوہریرہؓ) بخاری، مسلم، ابوداؤد اور احمد میں ہے۔ روایت ۷ (بسند مذکور) صحیحین میں، روایت ۸ احمد اور طحاوی میں اور حمیدی میں اختلاف کے ساتھ ہے، روایات ۸ م (مرسل) اور ۹ (بسند مذکور) طحاوی میں، روایت ۱۰ چوتھی روایت کے ساتھ ملحق ہے، روایت ۱۱ بلا تائید ہے مگر روایات ۱۲-۱۳ انھیں اسناد کے ساتھ احمد اور طحاوی میں مختصراً موجود ہیں۔ روایات ۱۴-۱۵ احمد میں، روایت ۱۶ احمد اور طحاوی میں، روایات ۱۷-۱۹ (بسند حضرت سعد بن ابی وقاص) ابوداؤد اور احمد میں، روایات ۲۰-۲۱ (بسند حضرت سائب بن یزید) مسلم اور احمد میں، روایات ۲۲-۲۳ (بروایت ابن عمر) صحیحین میں اور روایت ۲۳ بخاری میں، روایت ۲۴ (بسند جابر) طحاوی اور مجمع الزوائد میں، روایات ۲۵-۲۶ اسی سند سے مسلم میں اور دوسری سند سے احمد میں، روایات ۲۷-۲۸ (بسند ابوسعید خدری) بلا تائید ہے جبکہ روایات ۲۹-۳۲ (بسند ابن عباس) احمد میں، روایات ۳۳-۳۴ (بسند انس بن مالک) بخاری، مسلم، ابوداؤد اور احمد میں ہے جبکہ روایت ۳۵ (بسند جابر بن عبداللہ) بلا تصدیق آئی ہے۔

امام طبری نے ان روایات کی بنیاد پر اصل حدیث سے فقہی/اسلامی حکم کا استنباط کیا ہے اور پھر مذکورہ بالا روایات کی مخالفت کرنے والی روایات بیان کی ہیں تاکہ ان کا جواب دیا جائے یا توجیہ کی جائے۔ ان میں سے روایت ۳۶ (حدیث ابی ہریرہ) بخاری، مسلم اور احمد میں، روایت ۳۷ (حدیث قتادہ) احمد میں اور طحاوی اور مجمع الزوائد میں بھی ہے، روایت ۳۸ (حدیث ابی ہریرہ) احمد میں، روایت ۳۹ سابقہ کی مفصل شکل ہے اور بلا تائید ہے، روایت ۴۰-۴۱ (حدیث شرید بن سوید ثقفی) مسلم، احمد اور ابن ماجہ میں، روایت ۴۲ (ابو قلابہ) مرسل ہے، روایت ۴۳ (ابن عباس) مسند احمد میں، روایت ۴۴ مسند کے علاوہ ابن ماجہ میں بھی ہے۔ روایت ۴۵ سابقہ روایت ۴۳ ہی ہے۔ روایت ۴۶ روایت ۴۴ کی تکرار ہے۔ روایت ۴۷ (ابو فضالہ عن.... فاطمہ) بھی سابقہ کی ایک صورت ہے، روایات ۴۸-۵۲ (بسند سعد بن ابی وقاص) ابو داؤد اور طحاوی میں ہے۔ روایات ۵۳-۵۷ (حدیث ابن عمرؓ) صحیحین، موطا، ترمذی، نسائی، احمد اور طحاوی میں ہیں۔ روایت ۵۸ (حدیث ابن عمر) بلا تائید ہے۔ جبکہ روایات ۵۹-۶۰ (حدیث ابی سعید خدری) ضعیف و بلا تائید ہیں۔ روایات ۶۱-۶۳ (حدیث جابر) مسلم اور نسائی میں، روایات ۶۴-۶۷ (حدیث سہل بن سعد ساعدی) صحیحین، موطا، احمد اور طحاوی میں ہیں۔ روایت ۶۸ (حدیث انس) موطا، ابوداؤد، بخاری (الادب المفرد) میں ہے، روایت ۶۹ (ابن عمر) مجمع الزوائد میں ہے۔ ان تمام روایات میں فال و بدشگونی کے ہوتے کا ذکر کسی نہ کسی صورت میں ہے۔

پھر ان روایات و احادیث کا ذکر کیا ہے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ بدشگونی اور فال وغیرہ کچھ نہیں اور مذکورہ بالا احادیث و روایات کا وہ مقصود نہیں جو سمجھا گیا۔ ان میں مجذوم یا متعدی مرض میں مبتلا شخص کے ساتھ کھانے کا بھی ذکر پایا جاتا ہے ان میں سے روایت ۷۰-۸۳ وغیرہ ابن سعد، بخاری وغیرہ میں ہیں۔ (آثار ۷۰-۸۳) اہل جاہلیت عدم توکل کے سبب ان لوگوں سے اجتناب کرتے تھے مگر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے توکل علی اللہ کا سبق دیا اور اس معنی کی روایات متعدد ہیں۔ مرویات طبری میں سے روایت ۸۴ ترمذی، ابوداؤد اور طحاوی میں ہے

جبکہ روایت ۸۵ مرسل ہے۔ پھر اس کے برعکس ان روایات و آثار کا ذکر ہے جن میں مجذوم جیسے لوگوں سے اجتناب کا ذکر و حکم ملتا ہے۔ ان مرویات طبری کی تعداد تین ہے (۸۶ - ۸) امام طبری نے اس کے بعد ان تمام روایات میں تطبیق دے کر صحیح حکمِ نبوی بتایا ہے۔

حدیث علی بروایت طبری ۲ کا مفہوم یہ ہے کہ تمام قبروں کو ہموار، تمام تصویروں مجسموں کو مسخ کرنے کا حکم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کو دیا تھا۔ ان کے تعمیل کرنے کے بعد ان کو تاجر خیر ہونے کی ہدایت کی کیونکہ وہی لوگ عمل میں سبقت کرنے والے ہیں۔ یہ حدیث دوسرے انداز سے مختصراً مسند احمد میں موجود ہے۔ کم از کم تین مزید احادیث حضرت علی سے دوسروں نے اسی مفہوم کی روایت کی ہیں (۹۱ - ۸۹) اس کے بعد امام طبری نے دوسرے صحابہ کرام سے کئی احادیثِ مرفوعہ نقل کی ہیں جن میں غیر متقی تجارت و تاجروں کی مذمت آئی ہے۔ ان میں سے روایات ۹۲ - ۵ (بسند رفاعہ بن رافع) ابن ماجہ، حاکم وغیرہ میں ہے۔ روایت ۹۶ مجمع الزوائد میں، روایات ۱۰۰ - ۹۷ احمد، حاکم اور مجمع الزوائد میں مختلف طرق و انداز سے ہیں۔ امام طبری نے اس کے بعد ان روایات و احادیث کو بیان کیا ہے جن میں امانت دار تاجروں اور مومنانہ تجارت کی تعریف اور توصیف آئی ہے۔ ان میں سے روایت ۱۰۱ ترمذی میں اور روایت ۱۰۲ - ۳ بلا تائید ہے۔ پھر آثار صحابہ و سلف اس کی تائید میں بیان کیے ہیں (روایات ۱۰۳ - ۹) اور ان کی تائید و توثیق پھر احادیث نبوی سے فراہم کی ہے جن میں سے روایات ۱۱۰ - ۱۱ (ابوذر غفاری) احمد میں، روایات ۱۱۲ - ۵ (ابوذر) مسلم، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ اور احمد میں ہے۔ روایات ۱۱۶ - ۷ بخاری، مسلم اور نسائی اور احمد میں ہیں۔ روایات ۱۱۸ - ۹ مرسل ہیں جبکہ روایات ۱۲۰ - ۲۱ (ابوقتادہ) مسلم، نسائی اور ابن ماجہ میں ہیں۔ روایات ۱۲۲ - ۶ (ابوہریرہ) صحیحین ابوداؤد، نسائی اور عبدالرزاق میں ہیں۔ اسی پر یہ بحث ختم ہوتی ہے۔

حدیثِ طبری ۳ - ۵ کا مرکزی نکتہ یہ ہے کہ جو شخص اپنے مورث کے قرض کی ادائیگی کی ذمہ داری لیتا ہے وہ جنتی ہے۔ یہ ایک ہی حدیث ہے جس کی کسی نے تصدیق نہیں کی۔ اسی طرح اس کی تائید میں دوسری حدیث طبری ۱۲۷ بھی بلا تصدیق ہے۔ امام طبری نے اس کے بعد دوسرے صحابہ کرام سے اسی مفہوم و معنی کی تین روایات

(حضرت جابر بن عبداللہ) نقل کی ہیں جو مصدقہ ہیں کیونکہ ان کو (۱۲۸-۳۰) بخاری، حمیدی اور احمد نے نقل کیا ہے۔ امام طبری نے اس کے بعد مالِ ضمان کی مقدار وغیرہ سے متعلق مسالک و آثارِ سلف روایت کئے ہیں۔ (۱۳۱-۳۲) اور اس مسئلہ پر صحیح مسلک بدلائل و براہین بیان کیا ہے۔

حدیث ۶ میں حضرت علیؓ کی ابن ملجم کے ہاتھوں شہادت اور اس کے قتل کا مسئلہ متعلق ہے۔ وہ احمد اور مجمع الزوائد میں ہے۔ پھر قاتل کی سزا کے بارے میں کہ اس کو مصلوب کیا جائے دو آثار سلف (۱۳۴-۵) بیان کر کے مسلم قاتل کو قتل یا مصلوب کرنے کے بجائے فدیہ ادا کرنے کا ذمہ دار بتایا ہے اور اس کی تائید میں روایت ۱۳۶ بیان کی ہے جو صرف سیرۃ ابن ہشام میں ہے۔ اس کے بعد ان روایات و آثار کا ذکر کیا ہے جن کے مطابق حضرت علی نے اپنے قاتل کو صرف قتل کرنے کا حکم دیا تھا۔ مثلہ کرنے اور جلانے کا حکم نہیں دیا تھا اور یہ دونوں عوام کے کام تھے (روایت ۱۳۷) اس کے بعد ان روایات و احادیث کا ذکر کیا ہے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ نے قاتلوں/مجرموں کے زندہ جلانے کا بھی حکم دیا تھا۔ ان میں سے روایت ۱۳۸ ابن ہشام میں مفصلاً ہے مگر بخاری میں معلقاً آئی ہے۔ اس کو ابوداؤد، ترمذی، احمد اور بیہقی نے بھی کسی نہ کسی صورت میں روایت کیا ہے۔ پھر اس مفہوم کے آثار و اقوال سلف ہیں (۱۳۹-۵۰) اور اس کی تائید میں ایک حدیث مرفوع ۱۵۱ بیان کی ہے جو تفسیر طبری کے علاوہ صحیحین، ابوداؤد اور نسائی میں ہے (یہ روایت عرنیین کے بارے میں ہے)

حدیث طبری ۷ ہے:

كان النبي صلى الله عليه وسلم اذا اراد ان يسير قال: اللهم بك اصول وبك احل وبك اسير	نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی مہم پر جانے لگتے تو یہ دعا پڑھتے تھے: اے اللہ میں تیرے ہی بھروسے اقدام کرتا ہوں، اور تیرے ہی بھروسے کسی جگہ اترتا ہوں یا کہیں جاتا ہوں۔

اس حدیث کو احمد نے نقل کیا ہے۔ امام طبری نے مذکورہ بالا حدیثِ علی کی مانند بعض دوسرے صحابہ سے ایسی تین احادیث (۱۵۲-۴) نقل کی ہیں جن میں یہ ذکر

ہے کہ آپ ایسا جنگی سفر میں فرمایا کرتے تھے۔ ان میں روایات ۱۵۲-۳ احمد نے روایت کی ہے جب کہ آخری ۱۵۴ مرسل ہے۔ پھر وہ روایات / احادیث بیان کی ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایسی دعائے نبوی آپ ہر سفر عام میں کیا کرتے تھے۔ ان میں روایات ۱۵۵-۶ احمد اور مجمع الزوائد میں، روایات ۱۵۷-۹ (عبداللہ بن سرجس) نسائی، مسلم، ترمذی، اور احمد میں جزوی اختلافات کے ساتھ ہے، روایت ۱۶۰ (حدیث ابی ذرعہ) احمد، نسائی اور ترمذی، روایت ۱۶۱، ابوداؤد میں روایت ۱۶۲ مجمع الزوائد میں، روایات ۱۶۳-۵

(ابن عمر) احمد کے علاوہ مسلم و ترمذی اور ابوداؤد اور ابن کثیر (تفسیر) میں ہے۔ ایسی ہی دوسری روایات مرفوعہ ۱۶۶ (مجمع الزوائد میں) اور آثار سلف ہیں (۱۶۷-۷۲)

حدیث طبری ۸ مرفوع ہے: انادارالحکمۃ وعلی بابھا (میں حکمت کا گھر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہیں) جو ترمذی میں اسی سند کے ساتھ ہے۔ اسی مفہوم کی دوسری مرویات صحابہ میں ۱۷۳-۴ (بسند ابن عباس) مجمع الزوائد میں ہے لیکن ان دونوں کو مناکیر میں شمار کیا گیا ہے۔

حدیث طبری ۹-۱۲ میں مرکزی نکتہ یہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے احد کے غزوہ میں حضرت سعد بن ابی وقاص سے فرمایا کہ "تیر چلاتے رہو، میرے ماں باپ تم پر قربان"۔ یہ احادیث بخاری، مسلم، ترمذی، احمد اور ابن سعد میں ہیں اور سب صحیح ہیں۔ حضرت علی کی موافقت میں دو اور روایات خود حضرت سعد بن ابی وقاص سے مروی ہیں۔ ان میں ۱۷۶ ابن سعد میں اور روایت ۱۷۷ حاکم میں ہے۔ پھر اس روایت میں جو فقہی / اسلامی حکم ہے اس کی تشریح میں کچھ روایات و آثار نقل کیے ہیں جن میں اختلاف شدید ہے جیسے روایات ۱۷۸-۹ مگر وہ دونوں بالترتیب ابن سعد اور احمد، ترمذی اور فتح الباری اور مسلم میں موجود ہیں۔ پھر اسی مفہوم کی غیر مصدقہ روایات ہیں (۱۸۰-۴) اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی جملہ عقیدت کہنے والوں سے متعلق کئی روایات ہیں (۱۸۵-۷) ان میں سے اول احمد میں ہے، باقی غیر مصدقہ۔ تشریح الفاظ میں جن احادیث کا ذکر طبری نے کیا ہے ان کی بھی تائید دوسرے محدثین کے ہاں ملتی ہے۔

حدیث طبری ۱۳ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے جنگ کو خدعہ (فریب) کہلوایا ہے، مسند احمد میں ہے۔ دوسری ایسی روایات و آثار سلف

(م ۱۸۸-۹۰) بخاری، مسلم، ابوداؤد، طیالسی کے علاوہ مسند احمد میں بھی ہے جبکہ روایت م ۱۹۱ صرف موخرالذکر دو مآخذ میں ہے۔ حضرت علی سے اس روایت کو دوسرے رواۃ کی اسناد سے منقول ہونے کا ذکر کیا ہے (م ۱۹۲) جو پہلے گذر چکی ہے۔ پھر متعدد صحابہ کرام کی تصدیق روایاتِ مرفوعہ نقل کی ہیں۔ ان میں سے روایت م ۱۹۳-۸ (بسند جابر) صحیحین کے علاوہ ترمذی، حمیدی، بیہقی اور احمد نے بھی روایت کی ہے۔ روایات م ۱۹۹-۲۰۰ (بسند حضرت عائشہ) ابن ماجہ میں، روایت م ۲۰۱ منکر و غیر مصدقہ، روایت م ۲۰۲ مجمع الزوائد میں، روایت م ۲۰۳ ابوداؤد، احمد اور بیہقی میں، روایت م ۲۰۴ ابن ماجہ اور مجمع الزوائد میں بالترتیب مختصر و مکمل، روایت م ۲۰۵ منکر و غیر مصدقہ، روایت م ۲۰۶ بھی ایسی، روایت م ۲۰۷ مرسل، روایت م ۲۰۸ بھی مرسل ہے جبکہ روایات م ۲۰۹-۱۰ ترمذی اور احمد میں، روایت م ۲۱۱ دوسرے انداز و سند سے مختلف مآخذ میں، روایات م ۲۱۲-۳ مسند احمد میں، روایت م ۲۱۴ سیرۃ ابن اسحاق میں لیکن سخت منکر، روایت م ۲۱۵ مجمع الزوائد میں اور سخت ضعیف قرار دی گئی ہے۔ روایات م ۲۱۶-۲۱ (بسند حضرت ام کلثوم بنتِ عقبہ اموی) مسلم، بخاری (الادب المفرد) ابوداؤد، احمد، طیالسی، ترمذی وغیرہ نے مختلف طرق اور اختلافات کے ساتھ بیان کی ہے۔ امام طبری نے اس کے بعد کذب کی حرمت کے بارے میں احادیث مرفوعہ نقل کی ہیں کہ وہ اولین قسم کی روایات کی ضد ہیں۔ ان میں روایات م ۲۲۲-۳ ابن ماجہ، دارمی، حاکم اور احمد میں ہیں۔ جبکہ روایت م ۲۲۴ سخت منکر ہے۔

کذب کو ہر حال میں حرام قرار دینے والوں کے مسلک کی تائیدی روایت م ۲۲۵ بیان کر کے جنگ میں خدعہ کی اجازت دینے والی روایت م ۲۲۶ کی توجیہ کی ہے کہ اس سے مراد جنگی تدبیر ہے۔ اس کی تائید میں آثارِ سلف نقل کیے ہیں (م ۲۲۷-۲۸ اور م ۲۲۹-۳۵) پھر تین چیزوں میں کذب کی اجازت سے متعلق آثارِ سلف بیان کیے ہیں (م ۲۳۶-۴۱) اس کے بعد ان لوگوں کے تائیدی اخبار و اقوال ہیں جو معاریض کی اجازت کے قائل ہیں اور صریح کذب کے منکر (م ۲۴۲-۴۹) ان کا مسلک اور اس کی موید روایات نقل کی ہیں جو ہنسی مذاق میں کذب کی حرمت ظاہر کرتی ہیں (م ۲۵۰-۵۷)

حدیث طبری م ۱۴-۷ حضرت عمار کی تعریف میں ہے، جو تین طرق سے ترمذی ابن ماجہ، حاکم، احمد، بخاری (تاریخ کبیر) اور طیالسی میں ہے۔ طبری نے اس کی تائیدی

روایات نہیں دی ہیں۔

حدیثِ طبری ۱۸ حضرت ابوذر غفاری کے صدق کی تعریف نبوی میں ہے جو خود تو غیر مصدقہ ہے لیکن اس کی تائیدی روایاتِ طبری میں سے روایت ۲۵۹ ترمذی، ابن ماجہ، احمد، حاکم اور ابن سعد میں ہے۔ روایت ۲۶۰ احمد، ابن سعد اور مجمع الزوائد میں، اور روایت ۲۶۱ صرف موخر الذکر میں ہے۔

حدیث طبری ۱۹-۲۰ حضرت عبداللہ بن مسعود کی فضیلت میں ہے۔ وہ احمد اور ابن سعد کے علاوہ مجمع الزوائد میں ہے۔ اس کی تائیدی مرویاتِ طبری میں ۲۶۲ مجمع الزوائد میں ہے۔

حدیثِ طبری ۲۱ آخری کلام نبوی "الصلوٰۃ الصلوٰۃ، اتقوا اللہ فیما ملکت ایمانکم (نماز کو لازم پکڑو، نماز کو لازم پکڑو۔ اور غلاموں کے معاملے میں اللہ سے ڈرو) سے متعلق ہے جو ابوداؤد، ابن ماجہ اور احمد میں بھی ہے۔ اس کی تائیدی مرویاتِ طبری میں روایت ۲۶۳ ابن ماجہ میں اور روایت ۲۶۴ مجمع الزوائد میں ہے۔

حدیثِ طبری ۲۲ میں اس معجزۂ نبوی کا ذکر ہے جس کے بارے حضرت علی کی آنکھوں کو لعابِ نبوی سے آشوبِ چشم سے شفا ملی تھی۔ یہ روایت احمد میں مختصراً اور مجمع الزوائد میں مکمل ذکر کی گئی ہے۔ حدیث طبری ۲۳ میں حضرت زبیر بن عوام کو حواریٔ نبوی کہا گیا ہے۔ دوسرے صحابہ کی مرویات سے اس کی تائید ہوتی ہے اور جن کا ذکر احمد میں ہے۔ ان دونوں کی تائیدکی روایات امام طبری نے نہیں بیان کی ہیں۔

حدیثِ طبری ۲۴ میں غیر اللہ کے نام پر ذبح کرنے والوں پر، غیر موالی کو مولی بنانے پر، ناحق زمین پر قبضہ کرنے والوں پر اور والدین کی نافرمانی کرنے والوں پر لعنتِ نبوی کا ذکر ہے۔ پھر اس کی تائیدی روایات دوسرے صحابہ سے نقل کی ہیں۔ ان میں سے روایت ۲۶۵ مسند احمد میں ہے، روایت ۲۶۶ غیر مصدقہ ہے، روایت ۲۶۷ چھ طرق سے مروی ہے اور ان میں سے بعض صحیحین اور مسند احمد میں ہے، اس روایت کے طرق میں دوسرا ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۱ اور ۲۷۵ میں ہے۔ اور اس طریق سے مسند احمد اور مجمع الزوائد میں ہے۔ روایات ۲۷۲-۴ تیسرا طریق پر مبنی ہے اور وہ بخاری، احمد اور ترمذی میں ہے روایات ۲۷۶-۷ چوتھا اور ۲۷۸ اور ۲۸۰ پانچواں اور ۲۷۹ چھٹا

طریق ہے اور یہ سب کسی نہ کسی دوسرے آخذ میں ہیں۔ روایت ۲-۲۸۱ مختلف طرق سے مسلم، احمد اور مجمع الزوائد میں ہے۔ روایات ۹-۲۸۴ (حدیث یعلی بن مرہ ثقفی) تین طرق سے مروی ہے اور وہ احمد اور مجمع الزوائد میں ہے۔ روایت ۲۹۰ موخر الذکر میں، روایت ۲۹۱ صحیحین میں اور مسند احمد میں ہے۔ روایت ۲۹۲ مجمع الزوائد میں ہے روایات ۴-۲۹۳ مسند احمد میں ہیں۔

والدین کی نافرمانی کرنے والوں کی مذمت میں جن دوسرے صحابہ کرام کی مرویاتِ صحیحہ سے امام طبری نے اپنی اصل حدیث کی تائید فراہم کی ہے ان میں سے روایت ۲۹۵ صحیحین، نسائی، ترمذی اور احمد میں ہے، روایت ۲۹۶ ترمذی کے علاوہ باقی تمام مذکورہ بالا آخذ میں ہے، روایات ۳۰۰-۲۹۷ مختلف طرق سے احمد، نسائی، موارد الظمآن اور حاکم میں ہیں۔ جبکہ روایات ۶-۳۰۱ بھی چار طرق سے بخاری (تاریخ کبیر)، نسائی، احمد اور خطیب بغدادی وغیرہ میں ہے۔ روایت ۳۰۷ بخاری، ترمذی اور احمد میں ہے، روایت ۹-۳۰۸ ابونعیم اور خطیب بغدادی وغیرہ میں ہے، روایت ۳۱۰ مسند احمد میں، روایت ۳۱۱ استیعاب، حلیۃ الاولیاء اور اصابہ میں ہے، روایت ۳۱۲ حلیۃ الاولیاء میں ہے روایت ۳۱۳ مرسل ہے، روایت ۳۱۴ خطیب بغدادی میں، روایت ۳۱۵ حاکم، ابوداؤد، نسائی وغیرہ میں ہے۔ روایت ۳۱۶ مرسل ہے، روایت ۳۱۷ ترمذی اور احمد میں ہے۔

غیر موالی کی ولایت کرنے والوں کی مذمت میں حدیثِ علی کی موافقت جن دوسرے صحابہ کرام کی احادیث مرفوعہ سے امام طبری نے فراہم کی ہے ان میں روایات ۲۰-۳۱۸ اسی سند سے صحیحین، ترمذی اور احمد میں ہیں۔ روایات ۳-۳۲۱ سابقہ روایات ۹-۲۶۸ ۲۷۱ اور ۲۷۵ کی مکررات ہیں۔ روایت ۳۲۴ مسند احمد میں ہے اور روایت ۳۲۵ بھی موخر الذکر مجمع الزوائد میں بھی ہے، روایات ۸-۳۲۶ احمد اور بخاری (تاریخ کبیر) میں ہے، روایت ۳۲۹ مسند احمد میں، روایت ۳۱-۳۳۰ غیر مصدقہ، روایات ۵-۳۳۲ (حدیث انس) تین طرق سے مروی ہے اور تیسرے سے ابوداؤد میں ہے، روایت ۳۳۶ سابقہ روایات ۸-۳۲۶ کی مکررات میں سے ہے۔ روایات ۹-۳۳۷ مختلف طرق سے مسند احمد میں ہے، روایت ۳۴۰ غیر مصدقہ ہے، روایت ۳۴۱

صحیح ابن حبان، فتح الباری وغیرہ میں ہے اور روایت ۳۴۲ اصل میں روایت ۳۴۰ کا اعادہ ہے بایں طور کہ غیر مصدقہ ہے۔

حدیث طبری ۲۵-۲۶ میں ذکر ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قیصر وکسریٰ کے علاوہ دوسرے ملوک کے ہدایا قبول کیے تھے۔ یہ مسند احمد، ترمذی اور بیہقی میں ہے۔ پھر اس کی مخالف روایات بیان کی ہیں جن میں امام کے قبول ہدایا کو غبن قرار دیا گیا ہے یا مشرکوں کے ہدایا کو قبول کرنے کی ممانعت ملتی ہے۔ ان میں سے روایت ۳۴۳، ہیثمی، طبرانی، بیہقی اور وکیع وغیرہ میں ہے، روایت ۳۴۴ زبیر بن بکار، ابن سعد، احمد، ہیثمی وغیرہ میں ہے، روایت ۳۴۵ ابوداؤد، ترمذی، احمد، مجمع الزوائد وغیرہ میں مختلف طرق سے مذکور ہے۔ امام طبری نے پھر ان دونوں قسم کی بظاہر متصادم روایات میں تطبیق دے کر دونوں کی تصحیح کی ہے اور قبول ہدایائے مشرکین کو صحیح بتایا ہے۔ اپنی دلیل وبحث کی تائید میں دو مزید احادیث مرفوعہ نقل کی ہیں ان میں سے روایت ۳۴۶ دوسری صورت میں مسند احمد میں ہے اور روایت ۳۴۷ ابن سعد، ابن ہشام میں بھی اسی انداز سے موجود ہے۔ اس کے بعد امام طبری نے ائمہ راشدین کے آثار وسنن نقل کیے ہیں۔ (روایات ۳۴۸-۴۹) ان میں دلچسپ بات یہ ہے کہ اول حدیث میں ہدیہ قبول کرنے والے امام راشد امام ابوبکر وامام علی ہیں جبکہ دوسری حدیث میں امام راشد مسلمہ بن عبدالملک بن مروان اموی امیر وسالار عبدالملک وولید وسلیمان اموی ہیں۔ اسی طرح روایات ۳۵۰ اور ۳۵۱ آثار سلف ہیں۔ جبکہ روایت ۳۵۲ حدیث مرفوعہ ہے اور مجمع الزوائد میں ہے۔ اسی طرح ہدیۂ عامل کو غلول قرار دینے والی حدیث مرفوعہ ۳۵۳ ابوداؤد میں ہے اور روایت ۳۵۴ اثر حضرت عائشہ ہے۔ اور روایت ۳۵۵ حدیث مرفوعہ ہے اور صحیحین اور مسند احمد میں ہے۔

حدیث طبری ۲۷ جو سورۃ الاعلیٰ کی تعریف میں ہے مسند احمد اور مجمع الزوائد میں ہے، حدیث طبری ۲۸ بنو تغلب کے نصاریٰ کے بارے میں ہے اور ابوداؤد اور بخاری (تاریخ کبیر) میں ہے۔ اس کی تائید میں ایک اثر عمر نقل کیا ہے۔ ۳۵۶ جو نسائی میں ہے۔ پھر وہ آثار سلف ۳۵۷-۶۳ نقل کیے ہیں، جو ان کے ذبیحہ کو حرام قرار دیتے ہیں۔ ان میں سے بعض دوسرے مآخذ میں مختلف انداز سے موجود ہیں۔ دوسرے علماء نے ان کے ذبیحہ اور ان کی عورتوں سے شادی کو حلال قرار دیا ہے۔

روایات ۷۶-۳۶۴ ان کی تائید میں ہیں اور آثارِ سلف ہیں۔

حدیث طبری ۲۹ میں ذکر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباسؓ کو سقایہ عطا فرمایا۔ یہ روایت اسی سند سے ابن سعد میں ہے۔ حدیث ۳۰ حضرت عباسؓ کو عاملِ صدقات بنانے سے انکار کرنے سے متعلق ہے۔ وہ بھی ابن سعد میں ہے اس کے بعد حدیث ۳۲-۳۱ میں ذکر ہے کہ حضرت علی نے حکمِ نبوی سے کعبہ میں نصب اصنام کو توڑا۔ یہ ایک حدیثِ واحد ہے جو مسند احمد اور مجمع الزوائد میں ہے۔ اس کی تائید میں وہ آثارِ سلف منقول ہیں جو آلاتِ موسیقی اور اصنام وغیرہ کو توڑنے کے بارے میں سنن صحابہ و علماء بیان کرتے ہیں۔ (۸۵-۳۷۷) حدیث طبری ۳۴-۵ مذمت حضرت ولید بن عقبہ اموی میں مذکور ہیں اور مسند احمد کے زیادات اور مجمع الزوائد میں ہے۔ حدیثِ طبری ۳۶ حضرت مغیرہ بن شعبہ کے رمح (نیزے) اور لقطہ کے مسئلہ کے بارے میں ہے جو مسند احمد میں مذکور ہے اور اختلاف کے ساتھ ابن ماجہ میں بھی ہے۔ اس سلسلہ میں جو احادیث مرفوعہ یا آثار سلف مذکور ہیں وہ غیر مصدقہ ہیں (۹۳-۳۸۶)

حدیثِ طبری ۹-۳۷ ایام تشریق کو کھانے پینے کے ایام بتاتی ہے۔ وہ مسندِ احمد کے علاوہ امام شافعی کے الرسالۃ میں بھی ہے۔ جبکہ اس کی آخری شکل طحاوی کے معانی الآثار اور ابن حزم کے المحلیٰ میں ہے۔ روایاتِ طبری ۴۰۰-۳۹۴ وہ آثارِ سلف ہیں جو اس حدیث کو حضرت علی پر موقوف کرکے ان کا قول بتاتے ہیں۔ یہ روایات مختلف طرق سے آئی ہیں اور ان کی اصل راویہ حضرت مسعود بن حکم زرقی کی ماں حبیبہ بنت شریق ہذلی ہیں۔ طریقِ اول سے وہ مسند احمد، سنن بیہقی اور معانی الآثار طحاوی میں ہے۔ دوسرے طریق کے مزید دو طریقے ہیں ان میں سے پہلے سے وہ تفسیر طبری کے علاوہ ابن سعد، طحاوی، حاکم اور احمد میں ہے اور دوسرے ذیلی طریق سے دوسرے ماخذ میں۔

امام طبری نے پھر اس اختلاف سے بحث کی ہے کہ منیٰ میں اس حکمِ نبوی کا اعلان کرنے کی سعادت کس صحابی جلیل کی قسمت میں آئی تھی کیونکہ مختلف اسماءِ گرامی کا متعدد روایات میں نام آتا ہے۔ حضرت بلال حبشی کا ذکرِ خیر کرنے والی روایتِ طبری ۴۰۱ مسند احمد اور سننِ دارقطنی میں اسی طریق سے ہے۔ حضرت بدیل بن ورقا خزاعی

کو منادیٔ نبوی قرار دینے والی روایتِ طبری ۲۰۲ کو حافظ ابن حجر نے اپنی کتاب تعجیل المنفعۃ (۴۹۰ - بدیل) میں ذکر کیا ہے۔ جبکہ دوسری سند ان کے حق میں روایتِ طبری ۲۰۳ فراہم کرتی ہے اور وہ اس طریق سے حاکم، اور مجمع الزوائد میں ہے اور اس مفہوم کی تیسری روایتِ طبری ۲۰۴ ابن سعد اور خطیب بغدادی نے بیان کی ہے حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی کو منادیٔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرار دینے والی روایتِ طبری ۲۰۵-۶ تفسیرِ طبری کے علاوہ ابن سعد اور طحاوی نے نقل کی ہے جبکہ اس مفہوم کی دوسری دو روایات ۲۰۷-۸ مسند احمد اور طحاوی میں ہیں۔ ایک طبقہ روایات ۲۰۹-۱۵ حضرتِ بشر بن سُحَیم کو منادی کرنے کی سعادت دیتا ہے اور وہ مختلف طرق سے مسند احمد، طیالسی، نسائی، بیہقی، ابن ماجہ، طحاوی اور ابن حزم کے ہاں موجود ہے۔ روایت ۲۱۶ حضرات کعب بن مالک اور اوس بن حدثان کو منادی رسول بتاتی ہے اور وہ مسلم، احمد اور طبرانی (المعجم الصغیر) میں ہے۔ حضرت معاذ بن جبلؓ خزرجی کو عامل رسول بتانے والی روایت طبری ۲۱۷ غیر مصدقہ ہے۔ جبکہ حضرت سعد بن ابی وقاص کی تقرری ثابت کرنے والی روایتِ طبری ۲۱۸ احمد، طحاوی اور مجمع الزوائد میں ہے۔ آخری حدیث / روایت طبری ۲۱۹-۲۰ جو کسی شخص کا نام نہیں لیتی وہ مجمع الزوائد اور معانی الآثار وغیرہ میں ہے۔

حدیثِ طبری ۲۲۱ نماز میں حدث کرنے اور وضو ٹوٹنے سے متعلق ہے۔ اگرچہ یہ روایتِ طبری اس سند سے دوسرے مآخذ میں نہیں ہے تاہم مسند احمد اور مجمع الزوائد میں اختلافات کے ساتھ موجود ہے۔ دوسرے صحابہ کرام سے اس حدیثِ نبوی کو امام طبری نے بطور تائید نقل کیا ہے۔ ان میں سے روایات ۲۲۲-۵ (بسند حضرت علی بن طلق) ترمذی اور ابوداؤد میں، روایت ۲۲۶ (بسند مذکور) ترمذی، احمد اور مجمع الزوائد میں ہے۔

حدیث طبری ۲۱۱-۲ میں ذکر ہے کہ غسلِ جنابت میں پورے جسم کو دھویا جائے اور بال بھر جگہ نہ چھوڑی جائے ورنہ غسل نہ ہوگا۔ یہ روایت مسند احمد کے علاوہ ابوداؤد، ابن ماجہ اور دارمی میں اسی طریق سے ہے۔ جبکہ روایت ۲۲۷ غیر مصدقہ ہے۔ روایت ۲۲۸ ابوداؤد، ترمذی اور ابن ماجہ میں ہے، جبکہ روایت ۲۲۹ مجمع الزوائد کی

ایک طویل حدیث انس کا جزء ہے اور روایت ۴۳۰ ابن ماجہ میں زیادہ مفصل ہے۔ طبری کی اصل حدیثِ علی کی تائید میں متعدد آثارِ سلف بھی مذکور ہیں (روایات ۴۳۱-۷)

تہذیب الآثار کے مسندِ علی کی آخری حدیث طبری ۴۴۲ کا مفہوم ہے کہ اپنے دوست کو اعتدال کے ساتھ چاہو ہوسکتا ہے کہ کسی دن وہ تمہیں مبغوض ہو جائے اور اور اپنے دشمن / مبغوض سے بھی اعتدال برتو ممکن ہے تو وہ کسی دن محبوب و دوست بن جائے اگرچہ اس سند سے یہ حدیث کہیں نہیں ملتی تاہم دوسرے آثار و احادیث سے اس کی کامل تصدیق و تائید ہوتی ہے۔ متعدد بزرگوں نے اس کو حضرت علی کا قول واثر قرار دیا ہے (روایات ۴۳۸-۴۲) مگر کئی احادیث مرفوعہ بھی اس کی تائید میں ہیں جو دوسرے صحابہ کرام سے مروی ہیں جیسے روایت ۴۴۳ (بسند حضرت ابی ہریرہؓ) ترمذی میں ہے، اور آثارِ صحابہ و سلف بھی اس کے موید ہیں (۴۴۴-۷) اس حدیثِ نبوی کی فقہی / اسلامی تشریح میں امام علام نے ایک اور حدیث نبوی نقل کی ہے جو صحیحین وغیرہ میں بھی موجود ہے اور آخری روایتِ مسند علی ۴۴۸ دراصل سابقہ روایت ۴۴۷ کی تکرار ہے۔ اسی پر طبری رحمہ اللہ کی مسندِ علی کی روایات کا تجزیہ ختم ہوتا ہے۔

سوئے حرم چلا

مولانا سیّد جلال الدین عمری کے شگفتہ اور رواں دواں قلم سے سفرِ حج اور زیارتِ حرمین کی والہانہ اور کیف و شوق میں ڈوبی ہوئی روداد — حج کی تاریخ مقصد اور معنویت کا بہترین اسلوب میں بیان — حسب موقع حج کے طریقے اور اس کے احکام و مسائل کی ضروری تفصیل — کتاب میں قاری کو سفرِ حج کے سلسلے میں ضروری معلومات بھی ملیں گی اور وہ جذبات کی گرمی بھی محسوس کرے گا۔

حج پر جانے والوں کے لیے ایک قیمتی تحفہ اور دل میں حرمین کی محبت ابھارنے والی بیش قیمت کتاب

صفحات: ۶۰ بڑا سائز قیمت ۱۲ روپے

ملنے کے پتے: (۱) مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، دعوت نگر، ابو الفضل انکلیو، نئی دہلی ۲۵
(۲) ادارہ تحقیق و تصنیف اسلامی، پان والی کوٹھی، علی گڑھ ۲۰۲۰۰۲

بحث ونظر

ملتِ ابراہیمی اور اسلام

ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی

حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی پوری زندگی توحید، خدا پرستی اور اطاعتِ الٰہی سے عبارت تھی۔ اس وقت کا معاشرہ شرک کی آلودگیوں میں لت پت تھا۔ آپ نے توحید کی صدا بلند کی، شرک اور مظاہر پرستی سے اپنی برات کا اعلان کیا اور اپنی قوم کو اللہ واحد کی عبادت اور اطاعت کی دعوت دی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام یہ فریضۂ منصبی نہ صرف یہ کہ اپنی زندگی کے آخری لمحے تک انجام دیتے رہے بلکہ آپ نے اپنی اولاد کو بھی اس کے لیے تیار کیا کہ وہ ان کے بعد اس مشن کو جاری رکھ سکیں اور تشنگانِ حق وصداقت کی پیاس بجھا سکیں۔ آپ کی کوششوں سے دعوتِ توحید کو ایسی نمایاں اور امتیازی حیثیت مل گئی کہ آپ کے بعد بھی جو چاہے اس کی طرف رجوع ہو سکے اور اس کے سایۂ عاطفت میں جگہ پا سکے۔ ارشاد باری ہے:۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرَاهِيْمُ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖۤ اِنَّنِيْ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ ۝ اِلَّا الَّذِيْ فَطَرَنِيْ فَاِنَّهٗ سَيَهْدِيْنِ ۝ وَجَعَلَهَا كَلِمَةًۢ بَاقِيَةً فِيْ عَقِبِهٖ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۝ (الزخرف: ۲۶-۲۸)	یاد کرو وہ وقت جب ابراہیمؑ نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا تھا کہ تم جن کی بندگی کرتے ہو میرا ان سے کوئی تعلق نہیں میرا تعلق صرف اس سے ہے جس نے مجھے پیدا کیا، وہی میری رہنمائی کرے گا اور ابراہیم یہی کلمہ اپنے بعد کے لوگوں میں چھوڑ گیا تاکہ وہ اس کی طرف رجوع کریں۔

ان آیات میں بتایا گیا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے اپنی قوم کے درمیان توحید

کا اعلان کیا اور شرک سے برارت ظاہر کی۔ انھوں نے اپنے قول وعمل اور تعلیم وتذکیر سے اپنے اس اعلان برارت کو ایک پائیدار روایت کی حیثیت دے دی تاکہ بعد کے لوگوں کے قدم جب بھی راہِ راست سے ذرا ہٹیں، یہ کلمہ ان کی رہنمائی کے لیے موجود رہے۔

حضرت ابراہیمؑ نے اپنی اولاد کو بھی صراحت سے تاکید کی کہ وہ اللہ کے دین پر قائم رہیں اور جیتے جی اس سے سرِمو انحراف نہ کریں۔

وَوَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ يٰبَنِيَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ (البقرۃ: ۱۳۲)

اسی طریقے پر چلنے کی ہدایت ابراہیمؑ نے اپنی اولاد کو کی تھی اور اسی کی وصیت یعقوب اپنی اولاد کو کر گیا تھا۔ اس نے کہا تھا کہ "میرے بچو۔ اللہ نے تمہارے لیے یہی دین پسند کیا ہے لہٰذا مرتے دم تک مسلم ہی رہنا"۔

اس آیت میں حضرت ابراہیمؑ کی کس وصیت کی طرف اشارہ ہے؟ اس سلسلہ میں مفسرین سے دو اقوال منقول ہیں: ایک یہ کہ گزشتہ آیت (البقرہ۔۱۳۱) میں یہ مذکور ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو حکم دیا کہ "مسلم ہو جا" تو انھوں نے فوراً حکم کی تعمیل کی اور اس کے سامنے سرِتسلیم خم کر دیا۔ حضرت ابراہیمؑ نے اپنی اولاد کو بھی ایسے ہی اخلاص اور مکمل اطاعت وسرافگندگی کا حکم دیا تھا۔ آیت میں ضمیر (ھا) کا مرجع کوئی متعین لفظ نہیں بلکہ پوری بات ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ گزشتہ سے پیوستہ آیت (البقرہ۔۱۳۰) میں 'ملت ابراھیم' کا تذکرہ ہے 'ھا' کی ضمیر اسی کی طرف لوٹ رہی ہے۔ یعنی حضرت ابراہیمؑ نے اپنی اولاد کو اپنی ملت کے اتباع کا حکم دیا تھا۔[۱]

---

[۱] امام طبریؒ اور زمخشریؒ نے اول الذکر قول کو اختیار کیا ہے۔ تفسیر جامع البیان۔ دار المعارف مصر ۳/۹۲-۹۴، کشاف، مصطفی البابی الحلبی واولادہ ۱/۳۱۲، ابن کثیرؒ، بیضاویؒ اور رازیؒ وغیرہ نے دونوں اقوال ذکر کیے ہیں، البتہ رازیؒ نے قاضی (عبدالجبار) کے حوالے سے مؤخر الذکر قول کو راجح قرار دیا ہے اور اس کے وجوہِ ترجیح ذکر کیے ہیں۔ انھوں نے لفظ "وصّٰی" کے استعمال میں متعدد حکمتوں

ملتِ ابراہیمی اور انبیائے بنی اسرائیل

حضرت ابراہیمؑ کے بعد، آپ پر ایمان لانے والے آپ کی ملت پر عمل پیرا رہے اور آپ کی نسل نے بھی اس امانت کو حرزِ جان بنائے رکھا۔ وہ خود بھی توحید پر مضبوطی سے قائم رہے اور اپنی آئندہ نسلوں کو بھی اسی کی وصیت کرتے رہے۔ گزشتہ آیت (البقرہ:۱۳۲) میں صراحت ہے کہ توحید پر قائم رہنے اور صرف اللہ کے سامنے سر جھکانے کی جو وصیت حضرت ابراہیمؑ نے اپنی اولاد کو کی تھی وہی وصیت ان کے پوتے حضرت یعقوب علیہ السلام نے بھی اپنی اولاد کو کی تھی۔ اس کی مزید تفصیل اگلی آیت میں مذکور ہے:

أَمْ كُنتُمْ شُهَدَاءَ إِذْ حَضَرَ يَعْقُوبَ الْمَوْتُ إِذْ قَالَ لِبَنِيهِ مَا تَعْبُدُونَ مِن بَعْدِي قَالُوا نَعْبُدُ إِلَٰهَكَ وَإِلَٰهَ آبَائِكَ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ إِلَٰهًا وَاحِدًا وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ
(البقرہ:۱۳۳)

پھر کیا تم اس وقت موجود تھے جب یعقوب اس دنیا سے رخصت ہو رہا تھا؟ اس نے مرتے وقت اپنے بیٹوں سے پوچھا: میرے بعد تم کس کی بندگی کروگے؟ ان سب نے جواب دیا "ہم اسی ایک خدا کی بندگی کریں گے جسے آپ نے اور آپ کے بزرگوں ابراہیمؑ، اسماعیلؑ اور اسحاقؑ نے خدا مانا ہے اور ہم اسی کے مسلم ہیں۔"

اس آیت سے نہ صرف یہ کہ اولادِ یعقوب کے، توحید پر قائم رہنے کے عزم کا اظہار ہوتا ہے بلکہ اس میں اس کی بھی صراحت موجود ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کے بعد ان کی اولاد — حضرت اسماعیلؑ اور حضرت اسحاقؑ — بھی اس پر قائم اور اس کی داعی رہی۔ افسوس کہ یہود کے صحیفے اس اہم تاریخی واقعہ کے تذکرہ سے خاموش ہیں۔

= کی جانب بھی اشارہ کیا ہے۔ دیکھئے تفسیر ابن کثیر، المکتبۃ التجاریۃ الکبریٰ مصر ۱۹۳۷ء ۱/۱۸۵، تفسیر بیضاوی کتب خانہ رحیمیہ دیوبند ۱/۱۰۸، تفسیر کبیر، المطبعۃ العامرہ مصر ۱/۵۱۳

البتہ ان کی بعض تاریخی کتابوں میں اس کی صراحت ملتی ہے۔ گنز برگ کی قصص یہود میں حضرت اسحاقؑ کے بارے میں ہے:

"جب اسحاق نے دیکھا کہ ان کا وقت موعود آپہنچا تو انھوں نے اپنے دونوں بیٹوں کو اپنے پاس بلایا اور کہا کہ میں تمہیں خدائے تعالیٰ کا واسطہ دیتا ہوں جس کی صفات علی، عظیم، قیوم، عزیز ہیں اور آسمان وزمین اور ان کے درمیان کی ہر شئے کا خالق ہے کہ تم خوف اسی کا رکھنا اور عبادت اسی کی کرنا" [۱]

اور حضرت یعقوبؑ کے بارے میں اس میں یہ صراحت ملتی ہے:

"یعقوب نے اپنے بیٹوں سے کہا.... مجھے اندیشہ ہے کہ تم میں سے کوئی بت پرستی کا میلان رکھتا ہے۔ اس کے جواب میں بارہ بیٹوں نے کہا" سن اے اسرائیل۔ اے ہمارے رب، ہمارا خدا وہی خدائے لم یزل ہے جس طرح تیرا دلی ایمان ایک خدا پر ہے اسی طرح ہم سب کا دلی ایمان ایک خدا پر ہے" [۲]

حضرت یعقوبؑ کے بعد ان کے صاحبزادے حضرت یوسفؑ ملتِ ابراہیمی کی اتباع کا اعلان کرتے نظر آتے ہیں۔ جیل میں جب ان کے سامنے دو قیدیوں نے اپنے خواب بیان کرکے ان کی تعبیر جاننا چاہی تو انھیں ان کے سامنے توحید کی دعوت پیش کرنے کا مناسب موقع ہاتھ آیا اس وقت انھوں نے فرمایا:۔

اِنِّیْ تَرَکْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَّا	واقعہ یہ ہے کہ میں نے ان لوگوں کا
یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَھُمْ بِالْاٰخِرَةِ	طریقہ چھوڑ کر جو اللہ پر ایمان نہیں لاتے اور
ھُمْ کٰفِرُوْنَ۔ وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ	آخرت کا انکار کرتے ہیں، اپنے بزرگوں،
اٰبَآءِیْٓ اِبْرٰھِیْمَ وَاِسْحٰقَ	ابراہیم، اسحاق اور یعقوب کا طریقہ اختیار کیا

---

[۱] گنز برگ، قصص یہود ۱/۲۱۶ بحوالہ عبدالماجد دریابادی۔ تفسیر قرآن (تفسیر ماجدی) مجلس تحقیقات ونشریاتِ اسلام لکھنؤ طبع اول ۱۹۹۵ء ۱/۲۵۸

[۲] گنز برگ۔ قصص یہود ۲/۱۴۱، بحوالہ سابق ۱/۲۵۷

وَيَعْقُوْبَ مَا كَانَ لَنَآ اَنْ نُّشْرِكَ بِاللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ذٰلِكَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ عَلَيْنَا وَعَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ (یوسف: ۳۷، ۳۸)

ہے۔ ہمارا یہ کام نہیں ہے کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائیں۔ درحقیقت یہ اللہ کا فضل ہے ہم پر اور تمام انسانوں پر۔ مگر اکثر لوگ شکر نہیں کرتے۔

اس آیت سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد ان کی ذریت ملتِ ابراہیمی پر عمل پیرا رہی۔ ان کے بیٹے اسحاقؑ، پوتے یعقوبؑ اور پرپوتے یوسفؑ سب اسی ملت کی اتباع کرنے والے اور اسی کی طرف دوسروں کو دعوت دینے والے تھے۔

بعد میں بھی جو انبیاء بنی اسرائیل کی طرف بھیجے گئے انھوں نے توحید کی دعوت دی، شرک اور دیگر معصیتوں میں مبتلا ہونے سے ڈرایا اور ملتِ ابراہیمی اختیار کرنے کی تاکید کی۔ وہ اپنی قوم کو اللہ کی طرف بلاتے یا اللہ سے دعا کرتے تو "ابراہیم، اضحاق اور یعقوب کا خدا" کہہ کر پکارتے تھے۔ مثلاً بائبل میں حضرت موسیٰؑ کے بارے میں ہے:

"پھر خدا نے موسیٰ سے یہ بھی کہا کہ تو بنی اسرائیل سے یوں کہنا کہ خداوند تمہارے باپ دادا کے خدا ابرہام کے خدا اور اضحاق کے خدا اور یعقوب کے خدا نے مجھے تمہارے پاس بھیجا ہے۔ ابد تک میرا یہی نام ہے اور سب نسلوں میں اسی سے میرا ذکر ہوگا۔ جا کر اسرائیلی بزرگوں کو ایک جگہ جمع کر اور ان کو کہہ کہ خداوند تمہارے باپ دادا کے خدا ابرہام اور اضحاق اور یعقوب کے خدا نے مجھے دکھائی دے کر یہ کہا ہے کہ میں نے تم کو بھی اور جو کچھ برتاؤ تمہارے ساتھ مصر میں کیا جا رہا ہے اسے بھی خوب دیکھا ہے۔"[1]

ایلیا نبی کی دعا یوں مذکور ہے:

"اور شام کی قربانی چڑھانے کے وقت ایلیا نبی نزدیک آیا اور اس نے کہا "اے خداوند ابرہام اور اضحاق اور اسرائیل کے خدا آج معلوم ہو جائے کہ اسرائیل میں تو ہی خدا ہے اور میں تیرا بندہ ہوں اور میں

---

[1] خروج باب ۳: ۱۵-۱۶

نے ان سب باتوں کو تیرے ہی حکم سے کیا ہے.... [1]

حضرت داؤد نے بنی اسرائیل کو یوں نصیحت فرمائی :

"اے اس کے بندے اسرائیل کی نسل۔ اے بنی یعقوب جو اس کے برگزیدہ ہو، وہ خداوند ہمارا خدا ہے ۔تمام روئے زمین پر اس کے آئین ہیں ۔سدا اس کے عہد کو یاد رکھو اور ہزار پشتوں تک اس کے کلام کو جو اس نے فرمایا، اس عہد کو جو اس نے ابرہام سے باندھا اور اس قسم کو جو اس نے اضحاق سے کھائی ، جسے اس نے یعقوب کے لیے آئین کے طور پر اور اسرائیل کے لیے ابدی عہد کے طور پر قائم کیا ....." [2]

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ایک موقع پر یہودیوں سے فرمایا جو ان کی مخالفت پر کمر بستہ اور ان کی جان کے درپے تھے ۔

"میں جانتا ہوں کہ تم ابرہام کی نسل سے ہو تو بھی میرے قتل کی کوشش میں ہو کیونکہ میرا کلام تمہارے دل میں جگہ نہیں پاتا ۔میں نے جو اپنے باپ کے ہاں دیکھا ہے وہ کہتا ہوں اور تم نے جو اپنے باپ سے سنا ہے وہ کرتے ہو"۔ انھوں نے جواب میں اس سے کہا ہمارا باپ تو ابرہام ہے۔یسوع نے ان سے کہا اگر تم ابرہام کے فرزند ہوتے تو ابرہام کے سے کام کرتے ۔لیکن اب تم مجھ جیسے شخص کے قتل کی کوشش میں ہو جس نے تم کو وہی حق بات بتائی جو خدا سے سنی۔ ابرہام نے تو یہ نہیں کیا تھا" [3]

قرآن بھی یہی کہتا ہے کہ بعد کے انبیاء کی دعوت وہی تھی جو حضرت ابراہیم کی دعوت تھی :۔

---

[1] سلاطین اول باب ۱۸ ۳۶

[2] تواریخ اول باب ۱۶ ۱۳۔۱۷

[3] یوحنا باب ۸ ۳۷۔۴۰۔

قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ۔ (آل عمران: ۸۴)[1]	اے نبی کہو کہ "ہم اللہ کو مانتے ہیں۔ اس تعلیم کو مانتے ہیں جو ہم پر نازل کی گئی ہے ان تعلیمات کو بھی مانتے ہیں جو ابراہیمؑ اسماعیلؑ اسحاقؑ، یعقوبؑ اور اولادِ یعقوب پر نازل ہوئی تھیں اور ان ہدایات پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو موسیٰؑ اور عیسیٰؑ اور دوسرے پیغمبروں کو ان کے رب کی طرف سے دی گئیں۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام انبیاء کی بنیادی تعلیم ایک ہی تھی۔ جس دین کی طرف حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعوت دی تھی اسی کی طرف ان کے بعد آنے والے تمام انبیاء نے بھی دعوت دی[2]

یہود کا ملتِ ابراہیمی سے انحراف

بنی اسرائیل ایک عرصہ تک ملتِ ابراہیمی پر قائم اور عمل پیرا رہے۔ ان کے عقائد صحیح اور اعمال نیک رہے۔ لیکن پھر ان میں انحرافات در آئے۔ وہ صراطِ مستقیم سے بھٹک گئے اور بداعمالیوں کا شکار ہو گئے۔ انھوں نے اپنے لیے جو شریعت ایجاد کی وہ یہودیت کہلائی اور اس پر ایمان لانے اور عمل کرنے والے یہود کہلائے۔ یہود اگرچہ دعویٰ کرتے تھے کہ وہ حضرت ابراہیمؑ کے طریقے پر عمل پیرا ہیں لیکن ان کے عقائد و تصورات اور اعمال میں سے بہت سی چیزیں ملتِ ابراہیمی سے متصادم تھیں مثلاً:

---

[1] مزید دیکھئے النساء۔۱۶۳، الشوریٰ۔۱۳

[2] حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعوت کیا تھی؟ اور ملتِ ابراہیمی کے ترکیبی عناصر کیا تھے؟ اس پر تفصیلی بحث کے لیے دیکھئے راقم سطور کا مقالہ "ملتِ ابراہیمی کے ترکیبی عناصر" شائع شدہ مجلہ تحقیقاتِ اسلامی جلد ۸ شمارہ ۱ جنوری تا مارچ ۱۹۸۹ء

۱۔ وہ جادۂ توحید پر قائم نہیں رہ سکے اور ہم سایہ مشرک قوموں کے اثر سے ان میں بھی شرک سرایت کر گیا۔ مظاہر پرستی کی جانب ان کے میلان کا اظہار حضرت موسیٰؑ کی زندگی ہی میں ہونے لگا تھا۔ ان کی ہم سایہ مصری قوم گائے کی پرستش کرتی تھی چنانچہ ان کے دلوں میں بھی اس سے عقیدت اور پرستش کے جذبات پروان چڑھ گئے (النساء۔۱۵۳) بعد کے ادوار میں بھی وہ شرک سے بالکلیہ محفوظ نہ رہ سکے حضرت عزیرؑ جنھیں ان کی مذہبی تاریخ میں اہم مقام حاصل تھا کیونکہ انھوں نے زوال و نکبت کے دور میں ان کی اصلاح اور تجدید کا فریضہ انجام دیا تھا، انھوں نے انھیں "اللہ کا بیٹا" قرار دے دیا تھا (التوبہ۔۳۰)

۲۔ انھوں نے ایمان بالرسالۃ کے تقاضے پورے نہیں کیے۔ حضرت موسیٰؑ ان کے سب سے بڑے محسن تھے مگر ان پر بھی انھوں نے بے اعتمادی کا اظہار کیا اور متعدد مواقع پر ان کے فرمان کو بے چوں چرا قبول کرنے کے بجائے کج بحثی کی ان کے بعد آنے والے انبیاء کے ساتھ بھی ان کا معاملہ یہ رہا کہ اگر ان کی لائی ہوئی تعلیمات ان کی خواہشات سے میل نہ کھاتیں تو انھیں جھٹلاتے یہی نہیں بلکہ انھیں اللہ کے برگزیدہ بندوں کے قتل میں بھی عار نہ ہوا (البقرہ: ۸۷)

۳۔ ان کے عقیدۂ آخرت میں فساد آگیا تھا۔ انھوں نے یہ گمان کر لیا تھا کہ چونکہ وہ انبیاء کی نسل سے ہیں اس لیے اخروی زندگی میں سرخ روئی ان کا مقدر ہے بلکہ ان میں بعض فرقے ایسے تھے جو کھلم کھلا قیامت کا انکار کرتے تھے۔

۴۔ وہ عبادات سے بے پروا ہو گئے تھے اور انھوں نے نمازوں کا اہتمام ترک کر دیا تھا (مریم۔۵۹) اسی طرح ان میں مال و دولت کی شدید حرص پیدا ہو گئی تھی۔ دولت کو زیادہ سے زیادہ بڑھانے کے لیے انھوں نے بڑے پیمانے پر سودی کاروبار شروع کر رکھا تھا۔ (النساء۔۵۳۔ ۱۶۱)

۵۔ ملت ابراہیمی میں حج بیت اللہ کو بہت اہم مقام حاصل تھا۔ اس کی تعمیر میں حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ حضرت اسماعیلؑ بھی شریک رہے تھے۔ یہود کو چونکہ حضرت اسماعیلؑ سے خاص پرخاش تھی اور وہ ان کی عظمت کے منکر تھے، اس لیے انھوں نے پوری کوشش کی کہ اس سے حضرت ابراہیمؑ کا بھی کوئی تعلق ظاہر نہ ہونے پائے۔

توریت میں حضرت ابراہیمؑ کا مفصل تذکرہ ہے لیکن کیا کبھی وہ مکہ کی بے آب وگیاہ وادی تشریف لے گئے تھے؟ اور کیا وہاں اللہ کی عبادت کے لیے کوئی گھر تعمیر کیا تھا؟ اس کے ذکر سے وہ خالی ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے جیسے قصداً اسے نظر انداز کیا گیا ہو۔ توریت میں اس سلسلے میں گو اب بھی بعض اشارات پائے جاتے ہیں لیکن اس کے شارحین ومترجمین نے دانستہ انھیں چھپانے اور ان کو دوسرے معنی پہنانے کی کوشش کی ہے۔ مثال کے طور پر بائبل کی کتاب زبور میں ہے:

> "مبارک ہیں وہ جو تیرے گھر میں رہتے ہیں۔ وہ سدا تیری تعریف کریں گے .... وہ وادئ بکا سے گزر کر اسے چشموں کی جگہ بنا لیتے ہیں۔"[1]

صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ کسی مخصوص وادی کی طرف اشارہ ہے اور یہ وادی کوئی اور نہیں بلکہ وادی بکّہ (مکہ) ہے جس کا تذکرہ قرآن میں سورۂ آل عمران آیت ۹۶ میں بھی ہے۔ لیکن بائبل کے مترجمین نے اسے بجائے عَلَم کے، اسم نکرہ قرار دے کر اس کا ترجمہ 'رونے کی وادی' کر ڈالا۔[2]

اسی طرح بائبل میں حضرت ابراہیمؑ کی ہجرت کے ذکر میں ہے:

> "اور ابرام اس ملک میں سے گزرتا ہوا مقام سکّم میں مورہ کے بلوط تک پہنچا.... اور اس نے وہاں خداوند کے لیے جو اسے دکھائی دیا تھا ایک قربان گاہ بنائی اور وہاں سے کوچ کر کے اس پہاڑ کی طرف گیا جو بیت ایل کے مشرق میں ہے۔"[3]

یہود مورہ کو بیت المقدس میں بتاتے ہیں۔ لیکن متعدد قرائن اس پر دلالت کرتے ہیں کہ یہ 'مروہ' کی بگڑی ہوئی شکل ہے اور بیت ایل سے مراد بیت اللہ (خانہ کعبہ) ہے۔[4]

---

[1] زبور ۸۴: ۴-۶

[2] تفسیر ماجدی اول ص: ۶۲۰

[3] پیدائش باب ۱۲: ۶-۸

[4] اس موضوع پر مولانا فراہیؒ نے تفصیل سے لکھا ہے۔ ملاحظہ کیجیے آں حضرتؐ کا سلسلۂ نسب اور اہل کتاب، مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی ۱۹۹۱ء ص: ۲۰-۲۷۔ ذبیح کون ہے؟ ص: ۴۴-۵۶

۶۔ صحفِ ابراہیمی کی ایک اہم تعلیم یہ تھی کہ ہر شخص اپنے اعمال کا خود ذمہ دار ہے، اللہ کی بارگاہ میں محض حسب و نسب کچھ کام نہ آئے گا۔ بائبل کے صحیفوں میں بھی اس پر زور دیا گیا ہے (حزقی ایل باب ۱۸۔ ۲۰) لیکن یہود نے یہ مفروضہ قائم کرلیا تھا کہ چونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی چہیتی قوم ہیں اور ان کا تعلق اس کے برگزیدہ بندوں کی نسل سے ہے اس لیے ان کے برے اعمال کا مواخذہ نہیں ہوگا یا اگر انھیں ان کی سزا ملی تو محض چند دن (البقرہ ۸۰، الاعراف۔ ۵۹)

نصاریٰ اور ملتِ ابراہیمی

یہود کی طرح نصاریٰ بھی ملتِ ابراہیمی سے گریزاں رہے۔ وہ بظاہر تو اس پر عمل پیرا ہونے کا دعویٰ کرتے لیکن حقیقت میں انھوں نے بہت سی باتیں اپنی طرف سے گھڑلی تھیں جن کا ملتِ ابراہیمی سے دور کا بھی تعلق نہ تھا۔

۱۔ دیگر ثقافتوں اور فلسفوں سے تاثّر کے نتیجے میں نصاریٰ شرک میں ملوّث ہوگئے۔ حضرت عیسیٰ نے انھیں توحیدِ خالص کی دعوت دی تھی اور خود کو اللہ کے بندے اور رسول کی حیثیت سے پیش کیا تھا، لیکن نصاریٰ نے خود ان کے معاملے میں غلو سے کام لے کر انھیں اللہ کا بیٹا، پھر ایک قدم آگے بڑھ کر 'الٰہ' بنالیا۔ پھر روح القدس کو درجۂ الوہیت پر فائز کرکے 'باپ، بیٹا، اور روح القدس' تینوں کی الوہیت سے مرکب تثلیث کا عقیدہ وضع کرلیا۔ ان میں سے بعض فرقوں نے روح القدس کے بجائے حضرت عیسیٰ کی ماں مریم کو الٰہ بنالیا۔ قرآن نے اس عقیدہ پر ان کی سرزنش کی:

وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ اِنْتَهُوْا	اور نہ کہو کہ "تین" ہیں۔ باز آجاؤ۔ یہ
خَيْرًا لَّكُمْ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ	تمہارے ہی لیے بہتر ہے۔ اللہ
(النساء۔ ۱۷۱)	تو بس ایک ہی خدا ہے۔

۲۔ انھوں نے یہ عقیدہ پیش کیا کہ آدم نے جنت میں ممنوعہ درخت کا پھل کھاکر جس غلطی کا ارتکاب کیا تھا اس کی بنا پر ان سے ارادہ و اختیار کی آزادی سلب کرلی گئی تھی اور وہ ابدی عذاب کے مستحق ہوگئے تھے۔ یہ غلطی تمام اولادِ آدم میں منتقل ہوگئی اور وہ سب بھی اس خطائے اصلی کی سزا کے مستحق قرار پائے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی

رحمتِ کاملہ سے ان کو اس سزا سے بچانے کے لیے اپنے "بیٹے" کو جسم انسانی میں دنیا میں بھیجا جس نے صلیب پر جان دے کر تمام انسانوں کی طرف سے اس خطائے اصلی کا کفارہ ادا کر دیا۔

۴۔ ختنہ کو ملتِ ابراہیمی میں شعار کی حیثیت حاصل تھی۔ یہ اس عہد کی علامت تھا جو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ اور ان کی نسل سے باندھا تھا۔ لیکن نصاریٰ نے اس کی اہمیت ختم کر دی۔ گلتیوں کے نام پولس کے خط میں ہے:

"اگر تم ختنہ کراؤ گے تو مسیح سے تم کو کچھ فائدہ نہ ہوگا.... اور مسیح یسوع میں نہ تو ختنہ کچھ کام کا ہے نہ نامختونی، مگر ایمان جو محبت کی راہ سے اثر کرتا ہے"۔[1]

ملتِ ابراہیمی اور اسلام

قرآن نے یہود اور نصاریٰ کی گمراہیوں پر ان کی سرزنش کی، ان کے بے بنیاد دعووں کی قلعی کھول دی اور انھیں ملتِ ابراہیمی کی حقیقی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کا حکم دیا:

فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا وَّ مَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ (آل عمران - ۹۵)	تم کو ابراہیم کے طریقے کی پیروی کرنی چاہیے جو حنیف تھا اور شرک کرنے والوں میں سے نہ تھا۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ اہل کتاب کو ملتِ ابراہیمی کی ان حقیقی تعلیمات پر عمل پیرا ہونا پڑے گا جن کی طرف آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم دعوت دے رہے ہیں اور جو قرآن میں مذکور ہیں۔ نہ کہ ملت ابراہیمی کے نام پر ان مزعومات اور اوہام و خرافات سے چمٹے رہیں جو انھوں نے اپنی طرف سے گھڑ رکھی ہیں۔[2]

دوسری جگہ ارشاد ہے:۔

وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى	یہودی کہتے ہیں: یہودی ہو تو راہِ راست

---

[1] عہد نامہ جدید، گلتیوں باب ۵: ۲-۶

[2] تفسیر ابن کثیر ۱/ ۳۸۲۔ تفسیر کبیر ۳/ ۵

تَهْتَدُوْا قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرَاهِيْمَ	پاؤگے۔ عیسائی کہتے ہیں: عیسائی ہو تو ہدایت
حَنِيْفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ	ملے گی۔ ان سے کہو "نہیں بلکہ ابراہیم کا
(البقرہ: ۱۳۵)	طریقہ جو حنیف تھا اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھا۔

اس آیت میں ملۃ ابراھیم کے الفاظ سے قبل بعض مفسرین نے نتّبع اور بعض نے اتبعوا محذوف مانا ہے۔ پہلی صورت میں آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ یہود اور نصاریٰ اس زعم میں مبتلا ہیں کہ ہدایت صرف ان کے مذہب میں محصور ہے۔ اہلِ ایمان اس کا یہ جواب دیں کہ "ہم یہودیت یا نصرانیت کے بجائے ملتِ ابراہیمی کے پیرو ہیں" دوسری صورت میں آیت کی تاویل یہ ہوگی کہ اہلِ کتاب کو یہ جواب دینے کا حکم دیا گیا کہ یہودیت یا نصرانیت اختیار کرنے سے ہدایت نہیں ملے گی بلکہ ملتِ ابراہیمی کی اتباع کرو تبھی راہ یاب ہو گے[۱]

دوسری طرف مسلمانوں پر بھی واضح کر دیا گیا کہ تمہارے لیے اللہ تعالیٰ نے وہی دین مشروع کیا ہے جو اس نے اپنے پیغمبر حضرت ابراہیمؑ کے ذریعہ بھیجا تھا اور جسے پہنچانے کا حکم اس نے ان سے پہلے اور ان کے بعد آنے والے پیغمبروں کو دیا تھا۔

شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّيْنِ	اس نے تمہارے لیے دین کا
مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّ الَّذِيْ	وہی طریقہ مقرر کیا ہے جس کا حکم اس نے
اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا	نوح کو دیا تھا اور جسے (اے محمد) اب
بِهٖ اِبْرَاهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰى	تمہاری طرف ہم نے وحی کے ذریعہ سے
	بھیجا ہے اور جس کی ہدایت ہم ابراہیم اور
(الشوریٰ۔ ۱۳)	موسیٰ اور عیسیٰ کو دے چکے ہیں۔

خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی بصراحت و تاکید حکم دیا گیا کہ ملت ابراہیمی کی پیروی کریں۔

ثُمَّ اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ	پھر ہم نے تمہاری طرف یہ وحی بھیجی کہ

---

[۱] تفسیر طبری ۲/ ۱۰۲۔ ۱۰۳، تفسیر کبیر ۱/ ۵۱۸۔ مولانا امین احسن اصلاحیؒ نے 'اتبعوا' محذوف مانا ہے اور اس کے وجوہ ترجیح ذکر کیے ہیں۔ تدبر قرآن ۱/ ۳۰۳ ۲۰۲

مِلَّةَ اِبْرَاهِيْمَ حَنِيْفًا وَّمَا	ابراہیم کے طریقے پر چلو جو حنیف تھا اور
كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ (النحل ۱۲۳)	وہ مشرکوں میں سے نہ تھا۔

آپؐ جس "صراط مستقیم" پر گامزن تھے اور جس دین کو لے کر تشریف لائے تھے وہ وہی تھا جس کی طرف حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعوت دی تھی۔

قُلْ اِنَّنِيْ هَدٰىنِيْ رَبِّيْٓ	اے نبی کہو میرے رب نے بالیقین
اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ دِيْنًا	مجھے سیدھا راستہ دکھادیا ہے بالکل
قِيَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا	ٹھیک دین جس میں کوئی ٹیڑھ نہیں۔ ابراہیم
وَّمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ۔	کا طریقہ جسے یکسو ہو کر اس نے اختیار کیا
(الانعام: ۱۶۱)	تھا اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھا۔

ملتِ ابراہیمی اور اسلام کے مابین اتحاد و اشتراک کے مختلف پہلوؤں کی جانب آئندہ سطور میں اشارہ کیا جاتا ہے۔

الف۔ اسلام اور ملتِ ابراہیمی دونوں کی روح ایک ہے

اسلام اور استسلام عربی زبان میں ہم معنی الفاظ ہیں۔ ان کے معنی ہیں انقیاد و اطاعت، خود سپردگی، اخلاص وغیرہ[1]۔ اسلام کو اسلام کہنے کی وجہ بھی یہی ہے کہ اس دین کو قبول کرتے ہی انسان حق کے آگے سرِ تسلیم خم کر دیتا ہے۔ اپنی زندگی کے ہر ہر لمحہ میں اللہ کی رضا کا پابند ہوتا ہے اور اس سے سرِ مو انحراف اس کے لیے روا نہیں ہوتا۔ اسی معنی میں یہ لفظ قرآن میں بکثرت مقامات پر آیا ہے[2] سورۂ بقرہ میں ہے:

بَلٰى مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ	حق یہ ہے کہ جو بھی اپنی ہستی کو اللہ کی
لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗٓ اَجْرُهٗ	اطاعت میں سونپ دے اور عملاً نیک
عِنْدَ رَبِّهٖ وَلَا خَوْفٌ	روش پر چلے اس کے لیے اس کے
عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ	رب کے پاس اس کا اجر ہے اور
(البقرہ: ۱۱۲)	ایسے لوگوں کے لیے کسی خوف یا رنج کا موقع نہیں ہے۔

---

[1] لسان العرب ۱۲/۲۹۴۔ المفردات ص: ۲۴۰

[2] مثلاً: آل عمران۔ ۲۰، الانعام۔ ۷۱، لقمان۔ ۲۲۔ النحل۔ ۴۴۔ مومن۔ ۶۶ وغیرہ۔

اور ملتِ ابراہیمی کی روح بھی یہی اللہ کی اطاعت و فرماںبرداری، اس کے لیے اخلاص اور اس کی بارگاہ میں خودسپردگی وناصیہ فرسائی ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کی پوری زندگی سے اسی کی ترجمانی ہوتی ہے۔ انھوں نے اللہ تعالیٰ کے ہر حکم کی بے چوں وچرا تعمیل کی۔ اس کا ہر فرمان بجا لائے۔ تمام آزمائشوں میں پورے اترے اور اپنی تمام خواہشات کو رضائے الٰہی کا پابند بنا دیا تھا۔ قرآن نے اس چیز کو 'اسلام' سے تعبیر کیا ہے:

اِذْقَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (البقرہ: ۱۳۱)

اس کا حال یہ تھا کہ جب اس کے رب نے اس سے کہا "مسلم ہو جا" تو اس نے فوراً کہا "میں مالکِ کائنات کا "مسلم" ہو گیا۔

اطاعت اور فرماں برداری کا نقطۂ عروج وہ منظر تھا جب حضرت ابراہیمؑ اشارۂ الٰہی پاتے ہی اپنے لختِ جگر کو قربان کرنے پر تیار ہو گئے تھے اور لختِ جگر نے بھی اس کے نفاذ کے لیے خود کو حوالے کر دیا تھا۔ قرآن نے اس کی منظرکشی یوں کی ہے:

فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ۔ (الصافات: ۱۰۳)

جب ان دونوں نے سرِ تسلیم خم کر دیا اور ابراہیم نے بیٹے کو ماتھے کے بل گرا دیا۔

حضرت ابراہیمؑ کی زندگی کے اس روشن پہلو کی طرف اشارہ کرنے کے لیے قرآن نے آپ کی ایک صفت 'مسلم' بیان کی ہے:

مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا (آل عمران: ۶۷)

ابراہیم نہ یہودی تھا نہ عیسائی۔ بلکہ وہ تو حنیف اور مسلم تھا۔

خانۂ کعبہ کی بنیادیں اٹھاتے وقت حضرت ابراہیمؑ نے بارگاہِ الٰہی میں جو دعا کی تھی اس میں یہ بھی تھا کہ مجھے اور میری اولاد کو 'مسلم' بنا اور ہماری نسل سے ایک مسلم امت برپا کر۔

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ

اے رب ہم دونوں کو اپنا مسلم (مطیعِ فرمان) بنا۔ ہماری نسل سے ایک

ایسی قوم اٹھا جو تیری مسلم ہو۔ (البقرہ: ۱۲۸)

یہ صرف حضرت ابراہیمؑ کا نجی معاملہ نہ تھا بلکہ ان کے بعد ان کی نسل سے آنے والے پیغمبروں نے بھی اپنی امتوں کو اسی 'صراط مستقیم' کی دعوت دی اور وہ امتیں جب تک حق کی شاہراہ پر گامزن رہیں اس زریں اصول کو سینے سے لگائے رہیں۔ حضرت یعقوبؑ نے زندگی کے آخری لمحات میں اپنے بیٹوں کو وصیت کی تھی کہ "تم لوگ مرتے دم تک مسلم ہی رہنا (البقرہ۔۱۳۲) اور ان کے صاحبزادوں نے بھی کمالِ سعادت مندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے مسلم ہونے کا اظہار کیا تھا (البقرہ۔۱۳۳) اسی طرح حضرت عیسیٰ نے جب اپنی قوم میں اعلان کیا کہ اللہ کی راہ میں میرا کون مدد گار ہے؟ تو ان کے مخلص پیروکاروں نے جواب دیا تھا۔

نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَاشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ (آل عمران: ۵۲)

ہم اللہ پر ایمان لائے۔ آپ گواہ رہیں کہ ہم مسلم (اللہ کے آگے سرِ اطاعت جھکا دینے والے) ہیں۔

معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی کامل اطاعت و فرماں برداری ملتِ ابراہیمی کی روح ہے اور یہی اسلام کا بھی اصل الاصول ہے۔ اللہ کا ارشاد ہے:۔

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً، وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ (البقرہ۔۲۰۸)

اے ایمان لانے والو تم پورے کے پورے اسلام میں آجاؤ اور شیطان کی پیروی نہ کرو کہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔

ب۔ ملتِ ابراہیمی کے تمام عناصر اسلام میں باقی رکھے گئے ہیں

قرآن میں ملتِ ابراہیمی کی جو تفصیلات مذکور ہیں ان کے مطالعہ اور اسلامی احکام و تعلیمات سے ان کے تقابل سے واضح ہوتا ہے کہ ملتِ ابراہیمی کے تمام عناصر اسلام میں باقی رکھے گئے ہیں۔

۱۔ توحید ملتِ ابراہیمی کا سب سے اہم رکن ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کا خاندان اور پوری قوم شرک میں ڈوبی ہوئی تھی۔ آپ نے اپنی دعوت میں توحید پر سب سے زیادہ زور دیا اور شرک پر سخت تنقید کی۔ قرآن میں آپ کی ایک صفت "حنیف" بیان کی گئی ہے۔ حنیف اس شخص کو کہتے ہیں جو ہر طرف سے منہ موڑ کر صرف اللہ تعالیٰ سے اپنا تعلق استوار کرلے۔ ایسے تمام مقامات پر جہاں حضرت ابراہیمؑ کے لیے لفظ 'حنیف' استعمال کیا گیا ہے وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ یا اس جیسے الفاظ بھی لائے گئے ہیں۔ اسلام میں توحید کی جو اہمیت ہے وہ اظہر من الشمس ہے۔ اس کی پانچ اہم بنیادوں میں سے ایک توحید ہے۔ شرک اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس قدر ناپسندیدہ ہے کہ اس میں مبتلا شخص کی کسی حال میں مغفرت نہیں ہوسکتی:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ	اللہ بس شرک ہی کو معاف نہیں
يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ	کرتا۔ اس کے ماسوا دوسرے جس قدر
ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ	گناہ ہیں وہ جس کے لیے چاہتا ہے
(النساء: ۴۸)	معاف کر دیتا ہے۔

۲۔ ملتِ ابراہیمی میں ہمیں رسالت اور آخرت کے عقائد بھی ملتے ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ نے اپنے باپ اور اپنی قوم کو دعوت دیتے ہوئے فرمایا کہ ہدایت پانے کے لیے ضروری ہے کہ جو کچھ وہ اپنے رب کی طرف سے لے کر آئے ہیں انھیں قبول کیا جائے اور ان کی اتباع کی جائے۔ اگر اس سے روگردانی کی گئی تو ایک دن ایسا آئے گا جب اس کے انجام سے دوچار ہونا پڑے گا۔[1] ان دونوں عقائد کو اسلام میں بھی بنیادی اہمیت حاصل ہے۔

۳۔ ملتِ ابراہیمی کی طرح اسلام میں بھی عبادات پر بہت زور دیا گیا ہے۔ نماز، زکوٰۃ، حج، روزہ اور دیگر اعمالِ صالحہ سے متعلق احکام اور ترغیبات قرآن کریم کے بڑے حصے پر مشتمل ہیں۔ بعض آیات سے اشارہ ملتا ہے کہ یہ چیزیں ملتِ ابراہیمی

---

[1] ملتِ ابراہیمی میں رسالت اور آخرت کے عقائد کی تفصیل مقالہ "ملتِ ابراہیمی کے ترکیبی عناصر" میں بیان کی گئی ہے۔

میں بھی مشروع تھیں۔ سورۂ حج میں ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا	اے لوگو جو ایمان لائے ہو رکوع
ارْكَعُوا وَاسْجُدُوا وَ	اور سجدہ کرو۔ اپنے رب کی بندگی کرو
اعْبُدُوا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا	اور نیک کام کرو۔ اسی سے توقع کی
الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ	جا سکتی ہے کہ تم کو فلاح نصیب ہو اللہ
وَجَاهِدُوا فِي اللَّهِ حَقَّ جِهَادِهِ	کی راہ میں جہاد کرو جیسا کہ جہاد کرنے
هُوَ اجْتَبَاكُمْ وَمَا جَعَلَ	کا حق ہے۔ اس نے تمہیں اپنے کام
عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ	کے لیے چن لیا ہے اور دین میں تم
حَرَجٍ مِلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ	پر کوئی تنگی نہیں رکھی۔ قائم ہو جاؤ اپنے
(الحج: ۷۷-۷۸)	باپ ابراہیم کی ملت پر۔

ان آیات کے شروع میں رکوع اور سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا۔ یہ نماز سے عبارت ہے رکوع اور سجدہ جس کے اہم ارکان میں سے ہیں۔ 'وَاعْبُدُوا رَبَّكُمْ' کے ذریعے دیگر عبادات اور 'وَافْعَلُوا الْخَيْرَ' کے ذریعے تمام اعمالِ صالحہ کا حکم دیا گیا۔ اس کے بعد واضح کیا گیا کہ یہ تمام اعمال تمہارے لیے باعثِ مشقت نہیں ہیں بلکہ یہ تمہارے بس میں ہیں اور ان کی انجام دہی موجبِ فلاح وسعادت ہے۔ آخر میں ملتِ ابراہیمی کا تذکرہ کیا گیا۔ یہاں اس کے ذکر کی دو توجیہیں کی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ دین کے ان اعمال میں تمہارے لیے کوئی تنگی نہیں ہے جس طرح کہ ملتِ ابراہیمی میں کوئی تنگی نہیں تھی۔ ک (حرفِ تشبیہ) یہاں محذوف ہے جس کی وجہ سے ملۃ کو منصوب لایا گیا ہے۔ دوسری توجیہ یہ ہے کہ یہاں 'الزموا' محذوف ہے۔ یعنی یہ تمہارے باپ ابراہیمؑ کی ملت کے ارکان ہیں انھیں اختیار کرو۔[1]

۴۔ ملتِ ابراہیمی میں 'ختنہ' کو شعار کا درجہ حاصل ہے۔ توریت کے مطابق اسے اس عہد کی ایک ظاہری علامت قرار دیا گیا تھا جو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کی نسل سے کیا تھا کہ اگر وہ توحید پر قائم رہے گی تو اسے زمین پر اقتدار عطا کرے گا۔[2]

---

[1] تفسیر طبری (قدیم ایڈیشن) جزء ۱۷/ ص: ۱۲۹-۱۳۰۔ تفسیر ابن کثیر ۳/ ۳۳۶
[2] کتاب پیدائش باب ۱۷: ۹-۱۱

اسی لیے یہود کے نزدیک اس کی بہت زیادہ اہمیت تھی۔ غیر مختون شخص کو بے دین سمجھا جاتا تھا[۱] نصاریٰ نے اس شعار کو ترک کر دیا اور اسے غیر ضروری قرار دے دیا۔ اسلام میں اس معاملے میں وہ شدت نہیں پائی جاتی جو یہود کے یہاں موجود تھی لیکن ختنہ کو خصالِ فطرت میں شمار کیا گیا ہے اور اس پر عمل کا حکم دیا گیا ہے۔ ایک حدیث میں ہے:

من الفطرۃ الختان[۲] — اور فطرت میں سے ایک ختنہ ہے۔

ایک حدیث میں ختنہ کو سنت قرار دیا گیا ہے۔ حضرت اسامہ ہذلیؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

الختان سنۃ للرجال[۳] — ختنہ مردوں کے لیے سنت ہے۔

ج۔ فریضۂ حج

اسلامی عبادات میں ایک اہم عبادت 'حج' ہے۔ ملت ابراہیمی میں بھی اسے اہم مقام حاصل تھا۔ حضرت ابراہیمؑ نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ساتھ مل کر خانہ کعبہ کی تعمیر کی، اسے توحید کے ایک مرکز کی حیثیت دی۔ طواف، اعتکاف اور رکوع وسجدہ کرنے والوں کے لیے اسے پاک وصاف رکھا اور لوگوں میں حج کی منادی کی۔

وَاِذْ بَوَّأْنَا لِاِبْرَاهِيْمَ مَكَانَ	یاد کرو وہ وقت جبکہ ہم نے ابراہیم
الْبَيْتِ اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِيْ	کے لیے اس گھر (خانہ کعبہ) کی جگہ
شَيْئًا وَّطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّائِفِيْنَ	تجویز کی تھی (اس ہدایت کے ساتھ)
وَالْقَائِمِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ	کہ میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرو
وَاَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ	اور میرے گھر کو طواف کرنے والوں

۱؎ کتاب پیدائش باب ۱۲

۲؎ صحیح بخاری، کتاب اللباس، باب قص الشارب

۳؎ مسند احمد ۵/۷۵۔

يَأْتُوْكَ رِجَالًا وَّ عَلٰى كُلِّ	اور قیام، رکوع و سجود کرنے والوں کے
ضَامِرٍ يَّأْتِيْنَ مِنْ كُلِّ	لیے پاک رکھو اور لوگوں کو حج کے لیے
فَجٍّ عَمِيْقٍ	اذنِ عام دے دو کہ وہ تمہارے پاس
	ہر دور دراز مقام سے پیدل اور اونٹوں
(الحج: ۲۶-۲۷)[1]	پر سوار آئیں۔

حضرت ابراہیمؑ نے اعلانِ حج کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی رہنمائی میں حج کے ارکان و مناسک ادا کرکے عملی نمونہ بھی پیش کیا۔ ان کی منادی پر لوگوں نے لبیک کہا اور دور دراز مقامات سے ہر سال حج کے لیے آنے لگے۔ اس طرح حج ملتِ ابراہیمی کا ایک اہم رکن قرار پایا۔ بنی اسماعیل اس رکن کو مضبوطی سے تھامے رہے۔ ان کے دل میں خانۂ کعبہ کی عظمت باقی رہی اور وہ برابر ہر سال اس کا حج کرتے رہے۔ اگرچہ انھوں نے خانۂ کعبہ میں سیکڑوں بت بھی رکھ چھوڑے تھے اور طریقۂ حج میں بعض مشرکانہ چیزیں بھی داخل کر لی تھیں۔ زمانۂ جاہلیت میں حج کرنے والوں کو حنفاء کہا جاتا تھا گویا حنفیت پر عمل پیرا ہونے کا ایک مظہر حج کرنا تھا[2]

اسلام میں فریضۂ حج کو غیر معمولی اہمیت دی گئی ہے اور خانۂ کعبہ کو صرف خدائے واحد کی عبادت کے لیے قائم ہونے والا، متعدد روشن نشانیوں کا حامل اور جائے امن قرار دیتے ہوئے اس کی زیارت کو فرض کیا گیا ہے۔ ارشاد باری ہے:۔

إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ	بے شک سب سے پہلی عبادتگاہ
لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَّهُدًى	جو انسانوں کے لیے تعمیر ہوئی وہ وہی
لِّلْعَالَمِيْنَ فِيْهِ اٰيَاتٌ بَيِّنَاتٌ	ہے جو مکہ میں واقع ہے۔ اس کو خیر و
مَّقَامُ إِبْرَاهِيْمَ وَمَنْ دَخَلَهٗ	برکت دی گئی تھی اور تمام جہاں والوں

---

[1] مزید دیکھئے البقرہ: ۱۲۵

[2] تفسیر طبری ۱۰۶/۳، اہل تفسیر میں ابن عباسؓ، مجاہدؒ، حسنؒ اور عطیہؒ نے حنفیت کی تشریح 'حج البیت' سے کی ہے۔ دیکھئے تفسیر طبری ۱۰۲/۳-۱۰۶

كَانَ اٰمِنًا وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِيْنَ

(آل عمران: ۹۶-۹۷)

کے لیے مرکزِ ہدایت بنایا گیا تھا۔ اس میں کھلی ہوئی نشانیاں ہیں۔ ابراہیم کا مقامِ عبادت ہے اور اس کا حال یہ ہے کہ جو اس میں داخل ہوا مامون ہوگیا۔ لوگوں پر اللہ کا یہ حق ہے کہ جو اس گھر تک پہنچنے کی استطاعت رکھتا ہو وہ اس کا حج کرے اور جو کوئی اس حکم کی پیروی سے انکار کرے تو اسے معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تمام دنیا والوں سے بے نیاز ہے۔

اسلام میں حج کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ احادیث میں اسے افضل ترین اعمال میں شمار کیا گیا ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ کسی نے آپؐ سے سوال کیا: سب سے افضل عمل کون سا ہے؟ آپ نے جواب دیا: اللہ اور رسول پر ایمان۔ اس نے دریافت کیا: پھر؟ آپ نے فرمایا: اللہ کی راہ میں جہاد۔ اس نے پھر یہی سوال دہرایا تو آپ کا جواب تھا: "حج مبرور" (مقبول حج)[1]

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا:

الحج المبرور لیس له جزاء الا الجنة[2] — مقبول حج کی جزا بس جنت ہے

د۔ آخرت میں جزا و سزا کا دار و مدار انسان کے ذاتی اعمال پر ہے

ملتِ ابراہیمی کی ایک اہم تعلیم یہ تھی کہ دنیا میں انسان اپنے تمام اعمال کا خود ذمہ دار ہے۔ سورہ النجم میں صحفِ ابراہیمی کی جو تعلیمات نقل کی گئی ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے: "اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى" (یہ کہ کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔) ملتِ ابراہیمی کی طرح اسلام میں بھی اس تعلیم کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔

---

[1] صحیح بخاری، کتاب المناسک، باب فضل الحج المبرور

[2] موطا امام مالک کتاب الحج باب جامع ما جاء فی العمرة، صحیح بخاری، ابواب العمرة باب وجوب العمرة وفضلها۔

قرآن اور سنت کا پورا ذخیرہ اس سے پر ہے۔ آیت کا یہ ٹکڑا " وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی" مزید چار مقامات پر آیا ہے[1] سورہ اسراء میں ہے:

مَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا	جو کوئی راہ راست اختیار کرے اس
يَهْتَدِىْ لِنَفْسِهٖ وَمَنْ	کی راست روی اس کے اپنے ہی لیے
ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا	مفید ہے اور جو گمراہ ہو اس کی گمراہی کا
وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى	وبال اسی پر ہے۔ کوئی بوجھ اٹھانے
(الاسراء - ۱۵)	والا دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گا۔

سورہ انعام کی آخری آیات میں پہلے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس اعلان کا حکم دیا گیا کہ "مجھے میرے رب نے سیدھا راستہ دکھایا ہے، دین قیم، ملت ابراہیم ..... اس کے بعد ساتھ ہی یہ کہنے کی بھی ہدایت کی گئی:

وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ اِلَّا	ہر شخص جو کچھ کماتا ہے اس کا ذمہ دار
عَلَيْهَا وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ	وہ خود ہے۔ کوئی بوجھ اٹھانے والا
اُخْرٰى (الانعام - ۱۶۴)	دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھاتا۔

خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم ملتِ ابراہیمی کے مجدّد

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خانۂ کعبہ کی دیواریں کھڑی کرتے وقت بارگاہِ الٰہی میں جو دعائیں کی تھیں ان میں سے ایک یہ بھی تھی کہ میں نے اپنی جس اولاد کو اس وادی میں لا بسایا ہے اس کی نسل سے ایک رسول بھیج جو ان کی تعلیم اور تربیت کرے اور انھیں دین کی باتیں سکھائے:

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا	اے رب ان لوگوں میں خود انہی کی
مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَ	قوم سے ایک رسول اٹھائیو جو انھیں
يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ	تیری آیات سنائے۔ ان کو کتاب اور
وَيُزَكِّيْهِمْ	حکمت کی تعلیم دے اور ان کی زندگیاں
(البقرہ: ۱۲۹)	سنوارے۔

---

[1] وہ مقامات یہ ہیں: الانعام - ۱۶۴ - الاسراء - ۱۵ - فاطر - ۱۸ - الزمر - ۷

یہ دعا بارگاہِ الٰہی میں مقبول ہوئی اور خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ آپ ٹھیک ٹھیک ملت ابراہیمی کی پیروی کریں۔

ثُمَّ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلَیۡكَ اَنِ	پھر ہم نے تمہاری طرف یہ وحی بھیجی کہ
اتَّبِعۡ مِلَّةَ اِبۡرٰهِیۡمَ حَنِیۡفًا	ابراہیم کے طریقے پر چلو جو اللہ کے لیے
(النحل - ۱۲۳)	یکسو تھا۔

یہود اور نصاریٰ نے ملتِ ابراہیمی میں اپنی مرضی کے مطابق تبدیلیاں کرلی تھیں اور اپنے خود ساختہ تصورات اور مزعومات کو ملتِ ابراہیمی کا نام دے دیا تھا۔ مثال کے طور پر انھوں نے دین داری کے نام پر بعض پاک چیزیں حرام کرلی تھیں اور اپنے اوپر ایسے بوجھ لاد لیے تھے اور ایسی پابندیاں عائد کرلی تھیں جن کی دین میں کوئی سند نہیں تھی۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ ملتِ ابراہیمی کی تجدید کریں۔ لوگوں نے خود سے جو طوق اور بیڑیاں پہن رکھی ہیں ان سے آزاد کردیں اور جو بوجھ لاد رکھے ہیں انھیں اتار پھینکیں۔ سورۂ اعراف میں یہود و نصاریٰ کو "نبی اُمّی" پر ایمان لانے کی تلقین کرتے ہوئے اس کے جو اوصاف بیان کیے گئے ہیں ان میں یہ اوصاف بھی ہیں:

وَیُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ وَ	وہ (رسول) ان کے لیے پاک چیزیں
یُحَرِّمُ عَلَیۡهِمُ الۡخَبٰٓئِثَ وَیَضَعُ	حلال اور ناپاک چیزیں حرام کرتا ہے۔
عَنۡهُمۡ اِصۡرَهُمۡ وَالۡاَغۡلٰلَ	اور ان پر سے وہ بوجھ اتارتا ہے جو
الَّتِیۡ كَانَتۡ عَلَیۡهِمۡ	ان پر لدے ہوئے تھے اور وہ بندشیں
(الاعراف: ۱۵۷)	کھولتا ہے جن میں وہ جکڑے ہوئے تھے۔

حضرت ابو امامہ الباہلیؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت چاہی کہ وہ دنیا سے کٹ کر کچھ دن ایک غار میں رہنا چاہتا ہے جہاں کھانے پینے کی چیزیں موجود ہیں۔ آپؐ نے فرمایا:

انی لم ابعث بالیھودیة ولا	میں یہودیت یا نصرانیت کے ساتھ
بالنصرانیة ولکنی بعثت بالحنیفیة	نہیں بھیجا گیا ہوں بلکہ میری بعثت حنیفیت
السمحة [1]	کے ساتھ ہوئی ہے جس میں نرمی ہے۔

[1] مسند احمد ۵/۲۶۶

ایک دوسری روایت جو حضرت عائشہؓ سے مروی ہے۔ اس میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

یومئذ لتعلم یهود ان	آج یہود کو جان لینا چاہئے کہ ہمارے
فی دیننا فسحة ، انی	دین میں کشادگی ہے۔ میں حنیفیت کے
ارسلت بحنیفیة سمحة [1]	ساتھ بھیجا گیا ہوں جس میں نرمی ہے۔

ملتِ ابراہیمی سے اس تعلقِ خاص کی بنا پر آپ کی خواہش تھی کہ آپ کی نمازوں کا قبلہ حضرت ابراہیمؑ کا تعمیر کردہ گھر خانۂ کعبہ ہو۔ لیکن چونکہ شروع میں آپ کا معمول یہ تھا کہ جن معاملات میں آپ کے پاس اللہ تعالیٰ کی جانب سے کوئی واضح رہنمائی نہ ہوتی ان میں آپ انبیاء سابقین کے طریقے پر عمل کرتے تھے چنانچہ قبلہ کے معاملے میں بھی آپ نے ایسا ہی کیا اور بیت المقدس کی جانب رخ کرکے نماز پڑھتے رہے۔ لیکن مکہ میں رہتے ہوئے آپ اس طرح نماز ادا کرتے تھے کہ بیت اللہ اور بیت المقدس دونوں سامنے ہوتے تھے۔ مدینہ ہجرت کرنے کے بعد جب ایسا کرنا ممکن نہ رہا کیونکہ دونوں الگ الگ سمتوں میں پڑتے تھے تو قبلۂ ابراہیمی سے انقطاع آپ پر شاق گزرنے لگا اور آپ کے دل میں بار بار یہ خواہش ابھرتی تھی کہ کاش وحیِ الٰہی سے آپ کو خانۂ کعبہ کی جانب رخ کرنے کا حکم دے دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی یہ خواہش پوری فرمائی اور تحویلِ قبلہ کا حکم دے دیا۔

قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ	اے نبی یہ تمہارے منہ کا بار بار آسمان
فِي السَّمَاءِ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً	کی طرف اٹھنا ہم دیکھ رہے ہیں۔ لو ہم
تَرْضَاهَا فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ	اسی قبلے کی طرف تمہیں پھیرے دیتے
الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ	ہیں جسے تم پسند کرتے ہو مسجد حرام کی
(البقرہ: ۱۴۴)	طرف رخ پھیر دو۔

اسی طرح طریقۂ حج میں بھی آپؐ نے اصلاحات فرمائیں۔ لوگوں نے اس میں جو مشرکانہ اعمال داخل کر رکھے تھے یا دنیاوی اغراض و مصالح کی بنا پر جو تبدیلیاں

---

[1] مسند احمد ۶/ ۱۱۶-۲۳۳

کرلی تھیں ان کو ختم کر کے صحیح طریقے پر حج کے مناسک بتائے اور ان پر خود عمل کر کے دکھایا۔ حجۃ الوداع کے موقع پر جب انسانوں کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر آپ کے ہم رکاب تھا، آپ نے حج کا عملی نمونہ پیش فرمایا اور حج کے مراسم و مناسک سے متعلق لوگوں کے سوالات کے جوابات دیے۔ ایک موقع پر آپ نے صحابہ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:۔

قفوا علیٰ مشاعرکم فانکم	اپنے مناسک سے متعلق واقفیت
علیٰ ارث من ارث ابراھیم[1]	حاصل کرو۔ تم میراثِ ابراہیمی کے امین ہو۔

ملتِ ابراہیمی کی دعوت اسلام کی دعوت ہے

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے جو دین لے کر آئے وہ کوئی نیا اور انوکھا دین نہیں تھا بلکہ وہ انہی بنیادی تعلیمات پر مشتمل تھا جن کے ساتھ گزشتہ تمام انبیاء مبعوث ہوئے تھے اور جنھیں لے کر حضرت ابراہیم علیہ السلام تشریف لائے تھے۔ دیگر انبیاء کے مقابلے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا امتیاز یہ ہے کہ دنیا کے بڑے مذاہب میں اسلام کے ساتھ یہودیت اور عیسائیت کے پیرو بھی ان کی جانب شرفِ انتساب رکھتے ہیں۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت ایک جانب یہود و نصاریٰ اپنی تمام تر گمراہیوں کے باوجود اپنا سلسلہ حضرت ابراہیمؑ سے جوڑتے تھے اور اپنی بداعتقادیوں اور بداعمالیوں کے لیے ملتِ ابراہیمی سے سند لاتے تھے دوسری جانب مشرکینِ مکہ بھی حضرت ابراہیمؑ کو اپنا جدِ امجد کہتے تھے اور صریح شرک میں مبتلا ہونے کے باوجود خود کو ان کا پیرو بتاتے تھے۔ اس صورتِ حال میں ان تمام لوگوں کو ملتِ ابراہیمی کے اتباع کی دعوت دی گئی۔ اس کی حکمت یہ تھی کہ اس طرح ان پر یہ واضح کیا گیا کہ تمہیں جس چیز کی طرف دعوت دی جارہی ہے اور جو تعلیمات پیش کی جارہی ہیں وہ نئی اور اجنبی نہیں ہیں، بلکہ وہی ہیں جنھیں لے کر حضرت ابراہیم علیہ السلام آئے تھے۔ تم ان سے

---

[1] سنن ابوداؤد، کتاب المناسک باب موضع الوقوف بعرفہ۔ جامع ترمذی ابواب الحج باب ماجاء فی الوقوف بعرفات والدعاء فیہا۔ مسند احمد ۴/۱۳۷
۱۱۴

اپنا تعلق جوڑتے ہو اور ان کی جانب انتساب پر فخر محسوس کرتے ہو لیکن ان کے بتائے ہوئے راستے سے منحرف ہو۔ حضرت ابراہیمؑ کا لایا ہوا دین وہی ہے جسے آج محمد صلی اللہ علیہ وسلم پیش کر رہے ہیں۔ اسلام ملتِ ابراہیمی ہی کا دوسرا نام ہے۔ ملتِ ابراہیمی کے پیرو ہونے کا دعویٰ کرنے کے باوجود اسلام کو قبول نہ کرنا اور اس سے روگردانی کرنا تو بڑی نادانی کی بات ہے۔ سورۂ بقرہ میں اللہ کا ارشاد ہے۔

وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ ؕ (البقرہ: ۱۳۰)	اب کون ہے جو ابراہیم کے طریقے سے نفرت کرے؟ جس نے خود اپنے آپ کو حماقت وجہالت میں مبتلا کر لیا ہو اس کے سوا کون یہ حرکت کر سکتا ہے؟

اس آیت کی تفسیر میں قتادہ، ربیع اور دیگر اہلِ تفسیر نے بیان کیا ہے کہ اس میں اشارہ یہود اور نصاریٰ کی طرف ہے جنھوں نے ملتِ ابراہیمی سے روگردانی اختیار کر کے یہودیت اور نصرانیت کے نام سے مذاہب گھڑ لیے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ملتِ ابراہیمی کے ساتھ مبعوث کیا تھا، لیکن ان لوگوں نے اسے قبول نہیں کیا تھا۔ اس پر ان کی سرزنش کی جا رہی ہے[1]

قرآن کی بعض آیات میں اسلام کو اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ دین قرار دیا گیا ہے۔

اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ (آل عمران: ۱۹)	اللہ کے نزدیک دین صرف اسلام ہے۔
وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ (آل عمران: ۸۵)	اس فرماں برداری (اسلام) کے سوا جو شخص کوئی اور طریقہ اختیار کرنا چاہے اس کا وہ طریقہ ہرگز قبول نہ کیا جائے گا۔

اسی بات کو دوسرے مقام پر دوسرے انداز سے یوں کہا گیا ہے:

وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ	اس شخص سے بہتر اور کس کا طریقۂ زندگی

---

[1] تفسیر طبری ۳/ ۸۹

أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلّٰهِ وَهُوَ	ہوسکتا ہے جس نے اللہ کے آگے
مُحْسِنٌ وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ	سر تسلیم خم کردیا اور اپنا رویہ نیک رکھا
حَنِيْفًا	اور ابراہیم کے طریقے کی پیروی کی جو
(النساء: ۱۲۵)	حنیف تھا۔

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا: "اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے پسندیدہ دین کون سا ہے؟ فرمایا: "الحنيفية السمحة" (حنیفیت جس میں نرمی پائی جاتی ہے)[۱]

معلوم ہوا کہ ملتِ ابراہیمی کی دعوت درحقیقت اسلام کی دعوت ہے۔ اسلام اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا وہ دین ہے جسے لے کر تمام انبیاء آئے تھے۔ بعد میں ان کے متبعین نے اپنی خواہشات کے مطابق ان میں تحریفات کرکے نئے نئے مذاہب ایجاد کرلیے۔ حضرت ابراہیمؑ بھی اسی دین کو لے کر آئے تھے۔ ان کے بعد ان کے ماننے والوں نے اس میں بہت سی تحریفات کردی تھیں۔ یہودیت اور نصرانیت اسی دین کی بگڑی ہوئی شکلیں ہیں۔ خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تجدید کی اور اسے بے کم وکاست پیش کیا۔

---

[۱] مسند احمد ۲۳۶/۱، صحیح بخاری کتاب الایمان باب الدین یسر (تعلیقاً)

ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی کی ایک اہم کتاب

ایمان وعمل کا قرآنی تصوّر

الطاف احمد اعظمی

○ ایمان وعمل کے مروجہ تصور کی کمزوریوں کی نشان دہی کرتی ہے۔ ○ قرآن وسنت کے نقطۂ نظر کی مدلل اور دلنشیں تشریح کرتی ہے۔ ○ ایمان وعمل کے تقاضے اور دنیا اور آخرت میں کامیابی کی راہ واضح کرتی ہے۔

آفسٹ کی طباعت۔ خوبصورت سرورق۔ صفحات ۲۸۰ قیمت ۲۵ روپئے لائبریری ایڈیشن ۳۰ روپئے

ملنے کا پتا: ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی۔ پان والی کوٹھی۔ دودھ پور۔ علی گڑھ ۲۰۲۰۰۲

سیر و سوانح

چھٹی ساتویں صدی ہجری کے ایک نامور لاہوری محدث

حسن بن محمد صغانی

(۵۷۷۔۶۵۰ھ/۱۱۸۱۔۱۲۵۲ء)

ڈاکٹر خالد ظفر اللہ داؤدی

برصغیر پاک و ہند میں علم حدیث کے ورود کا ایک دروازہ درۂ خیبر ہے۔ چوتھی صدی ہجری کے اواخر میں سلطان محمود غزنوی (۴۲۱ھ/۱۰۳۰ء) کے ہمراہ اس راستہ سے بکثرت مسلمان شمالی ہند میں داخل ہوئے۔ ۴۱۲ھ میں سلطان محمود غزنوی نے لاہور فتح کیا اور پنجاب کو اپنی سلطنت میں شامل کر لیا۔ سلطان محمود غزنوی حنفی مسلک ترک کر کے شافعی مسلک اختیار کر چکا تھا[1] اور ڈاکٹر محمد اسحاق کے بقول "غزنوی سلاطین، جو شافعی مسلک کے پیرو تھے"، کے عہد میں لاہور علم حدیث کا ایک مرکز بن گیا تھا اور چھٹی صدی ہجری کے آخر تک اپنی تابانیاں بکھیرتا رہا[2] علمی و ثقافتی مرکز کی حیثیت سے لاہور کی شہرت ہند سے باہر دوسرے ملکوں میں بھی پھیل گئی تھی۔ امام سمعانی (۵۶۲ھ/۱۱۶۶ء) کا "الانساب" میں لاہوری نسبت والے محدثین کا ذکر اس کا بین ثبوت ہے[3]

قال الرسول کے نغمہ ہائے دلنواز سے معمور لاہور میں، ہند اور وسط ایشیا کے فقہ کا غلبہ رکھنے والے ممالک میں علم حدیث کا علم بلند کرنے والے، صحیح بخاری کا مروجہ نسخہ ترتیب دینے والے، احادیث موضوعہ کی جانچ پڑتال کے لیے کئی ایک درایتی معیار بیان کرنے والے "مشارق الانوار" کے مرتب نامور محدث ابو الفضائل رضی الدین حسن بن محمد بن حسن صغانی (صاغانی) لاہوری ۱۰ صفر ۵۷۷ھ/۱۱۸۱ء میں پیدا ہوئے[4] آپ کے والد صغان (معرّب از چغان نزد مرو) ماوراء النہر سے ہجرت کر کے پہلے غزنہ اور پھر وہاں سے لاہور آ کر قیام پذیر ہو گئے تھے۔

امام صغانی نے اوائل عمر میں ابو عبید القاسم بن سلّام (۲۲۴ھ/۸۵۴ء) کی "غریب الحدیث"

زبانی یاد کر کے ایک ہزار دینار بطور انعام حاصل کیے۔[۵۳] انھوں نے ہند، غزنہ، بغداد، مکہ معظمہ، یمن (عدن) وغیرہ کے طویل اسفار کر کے نامور محدثین سے بکثرت احادیث سنیں ۶۰۵ھ میں مکہ معظمہ میں "سنن ابی داوٗد" کی سماعت کی۔ اپنے والد محترم کے علاوہ ہند میں قاضی سعد الدین بن خلف بن محمد الکروری الحسن آبادی، مکہ میں ابوالفتوح نصر بن ابی الفرج بن محمد بن علی الحصری، یمن میں قاضی ابراہیم بن احمد بن سالم القریظی، بغداد میں ابومنصور سعید بن محمد بن الرزاز البغدادی اور ہشیم بن کلیب بن شریح بن معقل شاشی جیسے نامور محدثین سے سماع حدیث کا شرف پایا۔[۵۴] ان کے بارے میں ان کے نامور شاگرد شرف الدین عبد المومن بن خلف الدمیاطی (۷۰۵ھ/۱۳۰۵ء) فرماتے ہیں:۔

انہ کان اماما فی اللغۃ والفقہ والحدیث[۵۵]	وہ لسانیات، فقہ اور حدیث کے امام تھے۔

امام صغانی دیگر علوم کے علاوہ حدیث نبوی کے حصول کے انتہائی دلدادہ تھے انھوں نے اخذ و تحمل حدیث کے شوق کو پورا کرنے کی خاطر مختلف ممالک کی علمی سیاحت کی اور آخر کار علم حدیث میں امامت کے درجے پر فائز ہوئے۔ وہ جہاں بھی تشریف لے جاتے لوگ حدیث نبوی سننے اور سیکھنے کی غرض سے ان کے گرد جمع ہو جاتے۔ عوام الناس سے بڑھ کر خلیفۃ الناصر جیسے طالبان حدیث نبوی کی صف میں شامل تماہان وقت نے بھی ان سے حدیث کا سماع کیا اور آپ نے شاہ و گدا کو چشمۂ سنت نبوی سے سیرابی کے یکساں مواقع فراہم کیے۔ امام ذہبی (۷۴۸ھ/۱۳۴۷ء) نے بھی "سیر اعلام النبلاء" میں امام صغانی سے صحیح سند نقل کی ہے۔[۵۶]

طالبان حدیث نبوی کو احادیث مبارکہ بیان کرنے کے بارے میں اپنے اہم فیصلے کا "مشارق الانوار" میں یوں ذکر کرتے ہیں:

"۱۱ ربیع الاول ۶۲۲ ہجری ہفتہ کی رات بستر پر دراز ہوتے وقت میں نے دعا کی۔ اے اللہ! مجھے اپنے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت نصیب فرما۔ جس کے بارے میں تو میرے اشتیاق سے خوب آگاہ ہے۔ چنانچہ میں نے ابتدائی رات میں تھوڑی سی نیند کے بعد خواب میں دیکھا کہ گویا میں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم

ایک سرسبز و شاداب مقام پر ہیں اور میرے کچھ رفقا ہم سے قدرے نیچے کھڑے ہیں۔ میں نے آپ سے عرض کیا کہ جس مچھلی کو دریا نے باہر پھینک دیا ہو اور وہ مرگئی ہو کیا وہ حلال ہے تو آپؐ نے مسکراتے ہوئے فرمایا: ہاں۔ تو میں نے نیچے کھڑے ہوئے اپنے ساتھیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے عرض کیا جناب انھیں یہ بات بتلادیں، کیونکہ وہ میری یہ بات نہیں مانتے ہیں۔ تو آپؐ نے فرمایا یہ مجھے گالیاں دیتے ہیں، مجھے عیب لگاتے ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ وہ کیسے؟ تو آپؐ نے ایسی بات فرمائی جس کے الفاظ تو مجھے یاد نہیں ہیں البتہ اس کا مفہوم یہ تھا کہ تو نے میرا قول (میری حدیث) ان پر پیش کیا جواسے تسلیم نہیں کرتے۔ پھر ان کی طرف متوجہ ہو کر انھیں ملامت و نصیحت کرنے لگے۔ صبح ہوئی تو میں نے کہا "اس رات کے بعد میں آپؐ کی حدیث صرف ان لوگوں کے سامنے پیش کروں گا جو آپؐ کو اپنے جھگڑوں میں حکم مانتے ہیں اور آپ کے فیصلوں کو بادل نخواستہ قبول کرنے کے بجائے بصد شوق تسلیم کرتے ہیں۔ ان کے علاوہ دوسروں پر حدیث نبوی کو پیش کرنے سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں"۔[۹]

امام صغانی کے ہاں حجیت حدیث و مقام سنت نبوی کو اس فیصلہ کی روشنی میں پرکھا جا سکتا ہے۔ امام صغانی نے عباسی خلیفہ الناصر (۵۷۷-۶۲۳ھ/۱۱۸۱م-۱۲۲۶ء) اور خلیفہ المستنصر (۶۲۴-۶۴۵ھ/۱۲۲۷-۱۲۴۷ء) کی طرف سے ۶۱۷ھ تا ۶۳۷ھ تک دہلی میں بطور سفیر خدمات سرانجام دیں ۸۲ سال کی عمر میں شعبان ۶۵۰ھ/اکتوبر ۱۲۵۲ء میں بغداد میں وفات پائی۔ عارضی تدفین وہیں کی گئی اور پھر وصیت کے مطابق لاش مکہ معظمہ لے جائی گئی اور فضیل بن عیاض (۱۸۷ھ/۸۰۳ء) کے قرب میں اسے سپرد خاک کر دیا گیا۔ اس آرزو کی تکمیل کی خاطر میت مکہ معظمہ لے جانے والوں کو پچاس دینار دینے کی بھی انھوں نے وصیت کی تھی۔[۱۰]

امام صغانی کثیر التصانیف ہیں۔ انھوں نے لغت، حدیث، تاریخ اور فقہ کے علاوہ بعض کتابوں کی شرح میں اب تک معلوم مطبوع یا مخطوط (علی اختلاف التحقیق) ۴۶ یادگاریں چھوڑی ہیں۔ ان میں علم حدیث سے متعلق کتب خاص اہمیت کی حامل ہیں۔ کیونکہ ان کا مقصد ضعیف اور موضوع کے بجائے صحیح احادیث نبوی کو مقبول عام بنانا تھا۔ جنھیں پانچویں صدی ہجری کے آغاز سے بتدریج نظر انداز کرتے کا رویہ شروع ہو چکا تھا۔ علم فقہ کے فروغ کا نتیجہ یہ نکلا تھا کہ علم حدیث سے دلچسپی بہت کم ہوگئی یا صرف ایسی

احادیث تک محدود رہی جو کسی فقہی مسلک کی ضرورت پوری کرنے کے لیے موزوں تھیں۔ نوبت بہ ایں جا رسید کہ اپنے مسلک کی تائید کے لیے ضعیف حتیٰ کہ موضوع احادیث کو بھی قابلِ قبول بنانے کے لیے دلائل پیش ہونے لگے۔ فتنۂ وضع حدیث کے رواج پانے اور نام نہاد محدثین کے اپنی کتابوں میں انھیں نقل کرنے اور ان کے بارے میں سکوت اختیار کرنے کی وجہ سے اس صورت حال میں بقول امام صغانی اصل مذہب ہی خطرے میں پڑ گیا[۱۱] ان حالات میں انھوں نے علم حدیث کی خدمت میں دو محاذوں پر قابلِ قدر کام کیا۔

۱۔ موضوع روایات کی جانچ پڑتال اور پہچان کے لیے درایتی معیار بیان کیے۔ اصول وضوابط نقل کیے، خود "موضوعات" پر کتابیں لکھیں، دیگر مصنفین کی کتابوں میں صحیح اور ضعیف کی نشان دہی کی، نیز ضعیف اور متروک راویوں کی فہرست تیار کی۔ اس طرح موضوع روایات کے بہانے حدیث نبوی کے جواہرات کے اصلی خزانے میں وضعی اور جعلی خزف ریزوں کے دخل کا بہت اچھے طریقہ سے سدباب کیا اور حفاظتِ حدیثِ نبوی کا حق ادا کرنے کی بھرپور کوشش کی۔

۲۔ دوسری طرف صحیح احادیث کی اشاعت و ترویج کی کوشش کی، صحیح بخاری کا مستند نسخہ مرتب کیا، بخاری کی مختصر شرح لکھی، بخاری و مسلم کی قولی احادیث سے "مشارق الانوار" نامی مجموعہ تیار کیا اور صحیح احادیث کا انتخاب کر کے نئے مجموعے تیار کیے۔

امام صغانی کی علم حدیث میں چھوڑی ہوئی کتابیں درج ذیل ہیں۔

الدر الملتقط فی تبیین الغلط

ابو عبداللہ محمد بن سلامہ بن جعفر القضاعی (۴۵۴ھ/ ۱۰۶۲ء) کی "الشہاب فی الحکم والامثال والآداب" اور ابو العباس شہاب الدین احمد بن معد بن عیسی الاقلیشی (۵۵۰ھ/ ۱۱۵۵ء) کی "النجم المذیل علی الشہاب (النجم من کلام سید العرب والعجم)" میں موجود موضوع احادیث کو امام صغانی نے "الدر الملتقط" میں جمع کر دیا ہے۔ ان دونوں کے علاوہ عوام الناس میں مشہور بعض روایات کو انھوں نے تیسرے نمبر پر نقل کیا ہے۔ چوتھے نمبر پر ایک سند سے مروی موضوع روایات پر راہنمائی کی غرض سے ایسے رواۃ یا کتب کے نام جمع کر دیے ہیں۔

اس کتاب میں مختلف رواۃ یا کتب سے ۸۸ موضوع روایات درج کی گئی

ہیں جن میں قضاعی کی "الشہاب" سے ۵۶، اقلیشی کی "النجیم" سے ۱۴، عوام الناس میں مشہور ۱۱ اور باقی ماندہ ابن ودعان الموصلی کی "الاربعون الودعانیۃ"، محمد بن سرور البلخی کی کتاب "فضائل الاعمال" وصایا علی بن ابی طالب، قرآنی سورتوں کے فضائل میں مروی روایات کے علاوہ ابو الدنیا عثمان بن خطاب، جعفر بن سطور الرومی، یسر بن عبداللہ، خراش بن عبداللہ، ابو یکش دینار الحبشی، ابو ہدبہ ابراہیم بن ہدبہ الفارسی اور سمعان المہدی کی روایت کردہ مسند انس پر نشان دہی کی ہے۔

یہ کتاب ابو الفدا عبداللہ القاضی کی تحقیق کے ساتھ دار الکتب العلمیہ، بیروت سے ۱۴۰۵ھ/ ۱۹۸۵ء میں شائع ہو چکی ہے۔ اس کے ساتھ "موضوعات الصغانی" اور "اسامی الضعفاء والمتروکین عند ائمۃ الحدیث للصغانی" بھی موجود ہے۔

۲۔ الرسالۃ فی الموضوع (موضوعات الصغانی)

امام صغانی نے موضوع احادیث کی جانچ پڑتال کے لیے بعض دراتی معیار اس کتاب میں جمع کر دیے ہیں۔ پہلے متروک و وضاع رواۃ کی نشان دہی کی ہے۔ پھر بعض موضوع احادیث نقل کی ہیں اور جگہ جگہ بعض دراتی معیاروں کی طرف راہنمائی کی ہے کہ ان سے متعلق جملہ احادیث موضوع ہیں۔ مثلاً فارسی الفاظ کی حامل احادیث، زنبیات، تربوز، بیگن، لہسن، پیاز اور مساجد میں چراغ، قندیل وغیرہ کی فضیلت والی احادیث نیز ماہ رجب کی فضیلت میں بیان شدہ جملہ احادیث کو انھوں نے دراتی طور پر موضوع ٹھہرایا ہے اس کتاب میں ۲۴۵ احادیث نقل کی گئی ہیں۔ ان میں سے بعض "الدر الملتقط" میں بھی منقول ہیں۔ بعض روایات بطور صحیح حدیث بھی لائے ہیں۔ اور کہیں کہیں بعض صحیح، حسن احادی کو بھی موضوع قرار دے دیا ہے۔ مثلاً حدیث نمبر ۶۲ مسلم کی روایت کردہ صحیح حدیث الدنیا سجن المومن[۱۱] ہے۔

امام صغانی نے جن صحیح یا حسن احادیث کو موضوع گردانا ہے وہ رسالہ میں مجموعی طور پر موجود احادیث کے مقابلے میں ایک ہاتھ کی انگلیوں پر شمار کی جا سکتی ہیں۔ انھیں زین العراقی (۸۰۶ھ/ ۱۴۰۴ء) نے ایک جز میں الگ کر دیا ہے۔ یہ مخطوطہ دار الکتب المصریہ میں محفوظ ہے[۱۲] اس لیے محدث عبدالرحمٰن مبارکپوری (۱۳۵۳ھ/ ۱۹۳۵ء) کا یہ کہنا کہ "ان دونوں کتابوں میں امام صغانی نے بکثرت

غیر موضوع احادیث بھی درج کردی ہیں[14]" حقیقتِ حال کے خلاف نظر آتا ہے۔ غالباً ان کے پیش نظر کتانی (۱۳۴۵ھ/۱۹۲۷ء) کا یہ بیان رہا ہے :

جمع فیهما الاحادیث	انھوں نے ان دونوں کتابوں میں
الموضوعة وادرج فیهما	موضوع احادیث جمع کردی ہیں اور
کثیرا من الاحادیث التی لم	بہت سی ایسی احادیث بھی شامل کردی
تبلغ درجة الوضع"[15]	ہیں جو وضع کے درجے تک نہیں پہنچتیں۔

حالانکہ کتانی کی مہیا کردہ بعض معلومات کے ناقص ہونے سے اہل علم خوب واقف ہیں۔

امام سخاوی (۹۰۲ھ/۱۴۹۶ء) کے مطابق "موضوعات الصغانی" میں صحیح، حسن اور بہت تھوڑے ضعف والی ضعیف احادیث بھی موجود ہیں[16]۔ "المقاصد الحسنة" میں بھی امام سخاوی نے اسی بنیاد پر عراقی کا امام صغانی پر رد نقل کیا ہے[17]۔ اس عجلت یا شدت پسندی کی بنا پر انھیں ابن الجوزی (۵۹۷ھ/۱۲۰۰ء) مجد اللغوی صاحب "القاموس" و "سفر السعادة" اور مجد الدین ابوطاہر محمد بن طاہر فیروزآبادی (۸۱۷ھ/۱۴۱۵ء) جیسے متشددین میں شمار کیا گیا ہے[18] لیکن اس کے باوجود ملا علی قاری (۱۰۱۴ھ/۱۶۰۵ء) نے "الموضوعات الکبری" عجلونی (۱۱۶۲ھ/۱۷۴۸ء) نے "کشف الخفاء" شوکانی (۱۲۵۰ھ/۱۸۳۲ء) نے "الفوائد المجموعة" اور دور حاضر کے نامور محدث ناصر الدین البانی نے "سلسلة الاحادیث الضعیفة والموضوعة" وغیرہ میں احادیث پر امام صغانی کے وضع کے حکم کو تسلیم کرتے ہوئے بطور سند نقل کیا ہے۔

امام صغانی نے دونوں کتابوں میں احادیث کو موضوع ٹھہراتے ہوئے کوئی ماخذ بیان نہیں کیا ہے اور نہ ہی کوئی خاص ترتیب مدنظر رکھی ہے۔ درایتِ حدیث کے حوالے سے جو بعض معیار انھوں نے بیان کیے ہیں یہ ان کی نقدِ حدیث میں داخلی نقد یعنی درایتی معیاروں کے قائل ہونے کی واضح دلیل ہے۔ نقدِ حدیث کے لیے ضعیف، متروک رواۃ کے حوالے سے نقد کے علاوہ عقلی و درایتی معیار نقل کر کے صدیوں پیشتر ابنائے برصغیر کی اس میدان میں انھوں نے بہت ہی مثالی راہنمائی فرمادی ہے تاکہ آنے والی نسلیں ہر دو معیاروں پر احادیث کو پرکھ کر ہی قبول کریں۔ اخذ و

قبولِ حدیث میں اگرچہ وہ روایتی، درایتی ہر دو معیاروں کے حامی ہیں لیکن صحیح حدیث کے وحیِ الٰہی ہونے میں وہ کسی قسم کے شک و شبہہ کا شکار نظر نہیں آتے۔ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ "آج روئے زمین پر موجود مومنین میں سے سو سال بعد کوئی بھی باقی نہیں ہوگا"[۱۱۹] موضوعات ص ۳۲ (نمبر۲۲) پر یہ حدیث نقل کرکے آخر میں لکھتے ہیں: " وَمَا ینطق عن الھوی ، ان ھو الا وحی یوحی"[۱۲۰] یعنی یہ پیشین گوئی سو فی صد برحق ہے کیونکہ قرآن کے مطابق حدیث وحی اور منزل من اللہ ہے۔ چونکہ وحی کا الٰہی علم قطعی اور یقینی ہے لہٰذا یہ حدیث بالکل سچ ہے اور اس دور کے بعد رتن ہندی جیسے کذّاب اگر دعویٰ صحابیت کرتے ہیں تو بالکل جھوٹے ہیں۔ صاف ظاہر ہے کہ وحی غیر متلو یعنی حدیث کی صداقت و قطعیت کا اقرار اس کے منزل من اللہ اور وحی ہونے کی بنا پر ہی کرتے تھے۔

موضوع روایات کی بر سر منبر و مجلس زبانی اور کتب میں تحریری نقل میں تساہل پر وہ مفسرین، نام نہاد محدثین، فقہا، صوفیا، اور واعظین پر شدید گرفت کرتے ہیں[۱۲۱] اور سنتِ نبوی کے بارے میں حصولِ علم میں کمی اور عمل میں کجی کا شکوہ کرتے ہیں۔ کہ علمائے حدیث کے ہاں بھی رسوخ فی الحدیث باقی نہیں رہا اور موضوع روایات اس دور میں بکثرت پھیل گئی ہیں۔

حدیثِ نبوی کے بارے میں ایسے شدید جذبات رکھنے والے نامور محدث سے خود الفاظِ حدیث نبوی کو نقل کرنے میں تساہل ہو گیا ہے۔ مثلاً حدیثِ نبوی "لیس الکذب علیّ کالکذب علی غیری"[۱۲۲] کا متن نقل کرکے آگے لکھتے ہیں کہ بعض طرق میں" سیکذب علی" کے الفاظ بھی ہیں[۱۲۳] حالانکہ یہ الفاظ کسی روایت میں نہیں پائے جاتے ہیں[۱۲۴]

موضوعات الصغانی کے قاہرہ، برلن، استانبول جیسے مقامات پر خطی نسخے موجود ہیں۔ مصر سے شیخ قاوقجی کی " کتاب اللؤلؤ" کے ساتھ بھی مطبوع ہے۔ اس کے علاوہ نجم عبدالرحمٰن خلف کی تحقیق و تخریج کے ساتھ یہ دارالمامون للتراث، دمشق / بیروت کی طرف سے پہلی بار ۱۴۰۱ھ/۱۹۸۰ء میں اور دوسری بار ۱۴۰۵ھ/۱۹۸۵ء میں شائع ہو چکی ہے۔ اس کے آخر پر" اسامی الضعفاء و

المتروکین عند ائمۃ الحدیث للصغانی" بھی موجود ہے۔

۳۔ اسامی الضعفاء والمتروکین عند ائمۃ الحدیث

یہ دو ورقہ رسالہ ۱۵ ضعیف اور متروک رواۃ حدیث کے صرف ناموں پر مشتمل ہے۔ اوپر ذکر کردہ ہر دو محققہ مطبوعہ کتب کے آخر میں شامل ہے۔

۴۔ شرح الجامع الصحیح للبخاری

صحیح بخاری کی ایک جلد میں مختصر شرح ہے جو صحیح احادیث کی تفہیم کی غرض سے لکھی گئی تھی۔[۲۵]

۵۔ مصباح الدجیٰ من صحاح احادیث المصطفیٰ

صحیح احادیث کی جمع واشاعت کی غرض سے تیار کردہ ایک مجموعہ ہے جس میں اسانید محذوف ہیں۔[۲۶]

شیخ فریدالدین محمود بن علی ناگوری (۷۵۲ھ/۱۳۵۱ء) نے امام صغانی کے ہند میں مشاغل کی وضاحت کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ وہ ایک دن "مصباح الدجیٰ" کے سماع کا لوگوں کو موقع مہیا کرتے تھے جس میں قاضی حمیدالدین اور قاضی کمال الدین جیسے اہم لوگ بھی شریک ہوا کرتے تھے۔[۲۷]

۶۔ الشمس المنیرۃ من الصحاح المأثورۃ

صحیح احادیث کے نئے مجموعے تیار کرنے کی غرض سے امام صغانی نے یہ دوسرا مجموعہ بھی تیار کیا۔ بروکلمان کے مطابق مشہد میں اس کا مخطوطہ موجود ہے۔[۲۸]

۷۔ مشارق الانوار

مذکورہ بالا "مصباح الدجیٰ" اور "شمس المنیرہ" کے مقبولیت عامہ پانے پر بخاری ومسلم کی قولی احادیث سے انتخاب کرکے "یہ کتاب" مرتب کی جو تاحال مقبول ومشہور ہے۔ یہ صحیحین کی ۲۲۵۳ احادیث پر مشتمل ہے۔ جن میں سے ۳۲۷ صرف صحیح بخاری میں، ۸۷۵ صرف صحیح مسلم میں اور ۱۰۵۱ دونوں میں پائی جاتی ہیں۔ یہ کتاب ۱۲ ابواب میں منقسم ہے۔ ہر باب میں کئی فصلیں ہیں۔ احادیث ابتدائی الفاظ کے اعتبار سے حروفِ تہجی کی عجیب ترتیب پر قلم بند کی گئی ہیں۔ جدت کے ساتھ قائم کردہ ۱۲ ابواب کی ترتیب یوں ہے۔

۱۔ مَنْ موصولہ یا مَنْ استفہامیہ سے شروع ہونے والی احادیث
۲۔ اِن سے شروع ہونے والی احادیث۔
۳۔ لا سے شروع ہونے والی احادیث۔
۴۔ اذ، اذا سے شروع ہونے والی احادیث۔
۵۔ ما مع انواع اور یا مع انواع سے شروع ہونے والی احادیث۔
۶۔ قد، لو، بین وغیرہ سے شروع ہونے والی احادیث۔
۷۔ مبتداء معرب وغیرہ سے شروع ہونے والی احادیث۔
۸۔ اس میں چھ فصلیں ہیں۔
۹۔ عدد وغیرہ سے شروع ہونے والی احادیث۔
۱۰۔ فعل ماضی سے شروع ہونے والی احادیث۔
۱۱۔ لام ابتداء سے شروع ہونے والی احادیث۔
۱۲۔ احادیث قدسیہ۔

یہ کتاب امام صغانی نے عباسی خلیفہ المستنصر باللہ کے لیے لکھی تھی[۱۲۹]
نشاۃ ثانیہ سے قبل کے دور میں شمالی ہند میں علم حدیث کی اشاعت میں اس کتاب سے غیر معمولی مدد ملی۔ شائقین دور دراز سے سفر کر کے اس کا درس لینے لگے۔ ایک عرصے تک ہندوستان میں علم حدیث میں فقط یہی کتاب رائج تھی۔ اس کی کئی ایک شروح، انتخابات اور خلاصے لکھے جاچکے ہیں۔ عالم اسلام کے ممتاز علماء نے اس کی ڈھائی ہزار سے زیادہ شروح وحواشی لکھے ہیں۔[۱۳۰] مولوی خرم علی بلہوری کا اردو ترجمہ کراچی سے مطبوع ہے۔

امام صغانی بڑے فخر سے اس کتاب میں لکھتے ہیں کہ میں عرصۂ دراز سے اس بات کا متمنی تھا کہ خواب میں مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہو اور میں ان سے حدیث کی صحت معلوم کر کے "عالی سند" ہو کر حدیث بیان کروں اور آپؐ کی وفات کے بعد ان کے خیال میں یہ صرف خواب کے ذریعہ ہی ممکن ہے۔ اس آرزو پر سال یا کئی سال گذر گئے حتی کہ بتاریخ ۱۸ ذی القعدہ ۶۱۱ ہجری ہفتے کی رات سحری کے وقت خوش قسمت گھڑی آن پہنچی جس کے وہ عرصۂ دراز سے منتظر تھے۔ انھوں نے دیکھا کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابۂ کرام کے ساتھ عشائیہ تناول فرما رہے ہیں اور صغانی مغرب کی نماز ادا کر رہے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں بھی دعوت دی۔ انھوں نے فوراً دعوت میں شمولیت کرتے ہوئے موقع کی مناسبت سے پوچھا کیا یہ حدیث "اذا وضع العشاء واقیمت الصلاۃ فابدءوا بالعشاء" صحیح ہے؟ آپ نے فرمایا "نعم" (ہاں)[۳۱] یوں وہ اپنے آپ کو "عالی سند" ہونے کے شرف سے ممتاز خیال کرنے لگے۔ اپنی موضوعات میں بعض صحیح احادیث کو موضوع قرار دینے والے، حکیم ترمذی (۳۲۰ھ/ ۹۳۲ء) کی حضرت خضر سے منسوب روایات پر بحث کرتے وقت خوب گرفت کرنے والے اور انھیں رتنیات قرار دینے والے[۳۲] محدث کی بذریعۂ خواب عالی سند ہونے کی خواہش بڑی عجیب ہے کیونکہ محدثین کے ہاں بذریعہ خواب اخذ و تحمل حدیث کی قطعاً کوئی حیثیت نہیں ہے[۳۳]۔

"مشارق الانوار" دیگر بہت سی طبع کے علاوہ "الجمع بین الصحیحین البخاری ومسلم" کے نام سے بھی مطبوع ہے[۳۴]۔

۸۔ ترتیب احادیث المشارق

ڈاکٹر احمد خاں صاحب کی تحقیق کے مطابق مکتبہ توپ کاپے سرائے، استانبول میں مخطوطات الحدیث والفقہ کے تحت نمبر ۲۸۸۲ پر موجود ہے[۳۵]۔

۹۔ کتاب اسامی شیوخ البخاری[۳۶]

اس کا ایک مخطوطہ بخطِ مولف مکتبہ سلیمانیہ، استانبول (حصہ: قاراچلی زادہ) نمبر ۶۸ پر موجود ہے۔ ۱۷ اوراق پر مشتمل یہ تصنیف ۶۴۴۔۶۵۰ھ کے درمیان معرضِ وجود میں آئی۔ امام صغانی لکھتے ہیں کہ میں نے شیوخ صحیح بخاری کے اسمائے گرامی اس میں جمع کیے ہیں..... اور امام مسلم اپنی کتاب میں ان شیوخ سے روایت کرنے میں امام بخاری کے شریک ہیں اور دونوں ان پر متفق ہیں۔" (مخطوطہ: ورق ۱، ورق ۵) اس کتاب میں صحیح بخاری کے ۲۰۱۴ شیوخ کے نام تحریر فرمائے ہیں۔ (مخطوطہ: ورق ۴)

اپنے قیام ترکی (۱۹۸۹۔۱۹۹۴ء) کے دوران میں نے مواد مقالہ برائے Ph.D. جمع کرنے کی غرض سے اربابِ علم و دانش اور اہلِ تحقیق و تدقیق کو ایک سوالنامہ ارسال کیا تھا۔ اس کے جواب میں جناب ڈاکٹر احمد خاں صاحب (ادارۂ تحقیقات اسلامی

اسلام آباد) نے اپنے تحقیقی کاموں کے بارے میں جو معلومات فراہم کی تھیں ان میں اس کتاب پر بھی تحقیقی کام کا ذکر تھا۔ سلجوقی یونیورسٹی، قونیہ (ترکی) کے ایک ریسرچ اسکالر بھی اس پر تحقیقی کام کرنے کے لیے بالکل تیار تھے۔

۱۰۔ رسالۃ فی الاحادیث الواردۃ فی صدر تفسیر فی فضائل القرآن وغیرھا

یہ رسالہ ڈاکٹر عزہ حسن کو استانبول کی مختلف لائبریریوں سے ملا ہے۔[۳۷]

۱۱۔ رسالۃ فی الحدیث الموضوع فی فضائل القراءۃ۔

ڈاکٹر احمد خاں صاحب نے کتب حدیث کے تحت اس رسالے کو بھی ذکر کیا ہے۔[۳۸]

۱۲۔ درالسابہ فی بیان مواضع وفیات الصحابۃ۔[۳۹]

مکتبہ سلیمانیہ استانبول، نمبر ۱۰۴۲/ ۵۷ پر موجود مخطوطہ کے مطابق اس کتاب میں امام صغانی نے حروف تہجی کے اعتبار سے ۷۶۳ صحابہ کرامؓ کے اسمائے گرامی ان کے مقام وفات کی تعیین کے ساتھ درج کیے ہیں۔ "ابو" کی کنیت کے ساتھ مشہور صحابہؓ کے نام الگ آخر میں نقل کیے ہیں۔ متن میں قاری کی سہولت کی خاطر پہلے حرف تہجی اور پھر اس سے شروع ہونے والے ناموں کی فہرست ہوتی ہے ہر نام کے ساتھ مات، توفی، قتل، استشہد جیسے الفاظ کے بعد جگہ کا نام درج ہے۔ کنارے ہر حرف سے شروع ہونے والے ناموں کی الگ الگ تعداد بھی درج ہے اور آخر میں کل تعداد ۷۶۳ واضح کردی ہے۔

۱۳۔ نقعۃ الصدیان

مکتبہ سلیمانیہ، استانبول (حصہ: داماد ابراہیم پاشا) نمبر ۳۹۴ پر موجود مخطوط کے مطابق امام صغانی اس کتاب میں صحابہ کرامؓ کے بارے میں چار موضوعات زیر بحث لائے ہیں۔

۱۔ شرف صحابیت کے بارے میں مختلف فیہ آرار کے حامل افراد۔

۲۔ امہات کی طرف منسوب صحابہ کرامؓ کے اسمائے گرامی

۳۔ وہ صحابہ کرامؓ جن کے نام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبدیل فرمادیے تھے۔

۴۔ مؤلفۃ القلوب کے اسماء۔

امام صغانی نے اس کتاب میں اپنی ضخیم اور مفصل "مجلۃ العجلان" نامی کتاب کا اختصار پیش کیا ہے[۳۹]۔ ہر موضوع میں حروف تہجی کی ترتیب مدنظر رکھی گئی ہے۔ موضوع کے انتخاب اور ترتیب میں امام صغانی کی جدت پسندی اور علمی قابلیت خوب کھل کر سامنے آتی ہے۔ راقم مقالہ ہذا کے پاس مخطوط کی فوٹو کاپی موجود ہے۔ ڈاکٹر احمد خاں صاحب کی تحقیق کے ساتھ مکتبہ الایمان، مدینہ منورہ (۱۴۰۷ھ/ ۱۹۸۷ء) کی طرف سے شائع ہوئی ہے۔

۱۴۔ کتاب درجات العلم والعلماء

ڈاکٹر زبید احمد نے اسے علوم حدیث کے تحت امام صغانی کی کتب میں درج کیا ہے[۴۰]

۱۵۔ تصحیح وترتیب صحیح بخاری۔

امام صغانی کا نام صحیح بخاری کے مرتب کی حیثیت سے ہمیشہ زندہ رہے گا۔ مشہور مستشرق منگانا (A.Mingana) کی تحقیق کے مطابق عرب، ہند، ایران میں صحیح بخاری کا مقبول ومتداول نسخہ امام صغانی کا مرتب کردہ ہے[۴۱]

امام صغانی نے روایہ الفربری، روایہ الحموی، روایہ ابی الہیثم اور روایہ اسحق المسملی سے بعد از موازنہ تصحیح کر کے یہ نسخہ تیار کیا۔ جس کی نقل John Rylands Library میں موجود ہے۔[۴۳]

الغرض چھٹی ساتویں ہجری سے تعلق رکھنے والے فرزند لاہور امام صغانی اپنے دور کے نامور محدث ہیں اور مشارق الانوار اس عہد کی اہم ترین لیکن منفرد ہندی خدمتِ حدیث ہے۔ یہ لغوی محدث اپنی ادبی لغوی کتابوں میں بھی جگہ جگہ بطور استشہاد احادیث نقل کرتے ہیں۔ جملہ کتابوں کی ورق گردانی کے بعد ان احادیث کی تخریج وتنقید، وقت، وسائل اور علمی واقفیت کی متقاضی ہے۔ مذکورہ بالا کتب حدیث کے علاوہ ان کی دیگر کتب کے مطالعہ کے بعد ہی امام صغانی کا فنِ حدیث میں صحیح مقام ومرتبہ متعین ہونا ممکن ہے۔

حواشی ومراجع

۱ے ابن خلکان، وفیات الاعیان (بیروت؟) ج ۵، ص ۱۸۰-۱۸۱۔
۲ے ڈاکٹر محمد اسحاق، علم حدیث میں پاک وہند کا حصہ، (لاہور، ۱۹۷۷ء، اردو ترجمہ: شاہد حسین رزاقی) ص
۳ے السمعانی، ابو سعد عبدالکریم بن محمد، الانساب، (بیروت ۱۴۰۸ھ/۱۹۸۸ء، تحقیق: عبداللہ عمر البارودی) ج ۵، ص ۱۴۸۔
۴ے فکر ونظر، اسلام آباد، جلد ۳۴، شمارہ ۳ (رمضان۔ ذیلقعدہ۔ ۱۴۱۷ھ جنوری۔ مارچ ۱۹۹۷ء) ص ۸۳ تا ۹۵ مقالہ بعنوان " امام رضی الدین حسن الصغانی بدایونی یا لاہوری؟ جناب زاہد منیر عامر صاحب نے اس تاریخی مغالطے کا علمی و تحقیقی طور پر خوب رد کیا ہے کہ آپ بدایوں میں پیدا ہوئے تھے۔
۵ے بلگرامی، میر غلام آزاد، ماثر الکرام، (کراچی، ۱۹۸۳ء اردو ترجمہ: شاہ خالد میاں فخری) ص ۲۵۳-۲۵۴
۶ے امام صغانی، کتاب الانفعال (اسلام آباد، ۱۹۷۷ء، مقدمہ از الاستاذ احمد خان) ص ر، ج ر تا رک ملخصًا۔
۷ے تقی الدین محمد بن احمد الحسینی الفاسی المکی، العقد الثمین فی تاریخ البلد الامین (بیروت ۱۴۰۶ھ/ ۱۹۸۶ء، تحقیق: فواد سید) ج ۴، ص ۱۷۷، الدمیاطی، معجم الشیوخ (مخطوطہ، مکتبہ الدار القوسیہ، تونس نمبر ۹۱۱) ورق ۱۸۱ بحوالہ الدراسات الاسلامیہ (اسلام آباد، جلد ۳۳، عدد ۲، لغوی نابغہ من مدینہ لاہور، مقالہ نگار: سید رضوان علی الندوی) ص ۲۰
۸ے الفارانی، محمد بن صالح بن نوح، ایقاظ ھمم اولی الابصار (گوجرانوالہ، ۱۳۹۵ھ/ ۱۹۷۵ء) ص ۴۲
۹ے تفصیلات کے لیے دیکھئے: ابن قطلوبغا، تاج التراجم (بیروت ۱۴۱۲ھ/ ۱۹۹۲ء، تحقیق ابراہیم صالح) ص ۸۷-۸۹، ابن العماد، شذرات الذہب، دمشق/ بیروت ۱۴۱۲ھ/ ۱۹۹۱ء، تحقیق: عبدالقادر الارناؤوط، محمود الارناؤوط) ج ۷، ص ۳۱۴-۳۱۲، الکتبی محمد بن شاکر، فوات الوفیات (تحقیق: ڈاکٹر احسان عباس) ج ۱، ص ۳۵۸-۳۶۰، الصفدی، صلاح الدین خلیل بن ایبک، الوافی بالوفیات (بیروت ۱۴۰۵ھ/ ۱۹۸۵ء) ج ۱۲، ص ۲۴۰-۲۴۳ (نمبر ۲۱۹) ابو المحاسن یوسف بن تغری بردی، النجوم الزاہرۃ فی ملوک مصر والقاہرہ (مصر) ج ۷، ص ۲۶، السیوطی بغیۃ الوعاۃ فی طبقات اللغویین والنحاۃ (بیروت، تحقیق: محمد ابوالفضل ابراہیم) ج ۱، ص ۵۱۹-۵۲۱

(نمبر ۷۶-۱) یاقوت الحموی، معجم الادباء (بیروت) ج ۹، ص ۱۸۹-۱۹۱، الخوانساری، روضات الجنات (تہران، ۱۳۹۰ھ) ج ۳، ص ۹۴-۹۶، القرشی، الجواہر المضیئۃ فی طبقات الحنفیہ، حیدرآباد دکن ۱۳۳۲ھ) ج ۱، ص ۲۰۱-۲۰۲، الذہبی، سیر اعلام النبلاء، (بیروت ۱۴۱۰ھ/۱۹۹۰ء تحقیق: فہیم محمد شلتوت، محمد مصطفیٰ ابراہیم) ج ۲، ص ۱۵۶-۱۵۷، العبر فی خبر من غبر (بیروت ۱۴۰۵ھ/۱۹۸۵ء تحقیق: ابو ہجر محمد السعید بن بسیونی زغلول) ج ۳، ص ۲۶۵، تقی الدین الفاسی، العقد الثمین فی تاریخ البلد الامین، ج ۴، ص ۱۷۶-۱۷۹، تاش کبری زادہ، مفتاح السعادۃ، (قاہرہ ۱۹۶۸ء، ۱۹۵۰ء) تحقیق: کامل کامل بکری) ج ۱، ص ۱۱۲-۱۱۴، عبدالحی الحسنی، نزہۃ الخواطر، (حیدرآباد دکن، ۱۳۵۰ھ) ج ۱، ص ۱۳۷، ۱۴۱، قاضی اطہر مبارکپوری، رجال السند والہند، (قاہرہ) ص ۹۲-۹۵، زرکلی، خیر الدین، الاعلام، (بیروت، ۱۹۷۹ء) ج ۲، ص ۲۱۴، کحالہ، عمر رضا، معجم المؤلفین (دمشق، ۱۳۷۶ھ/۲۷۹) بروکلمان (GAL) (لیڈن، ۱۹۴۳ء) ج ۱ ص ۳۶۳-۳۶۴۔ ضمیمہ ج ۱ ص ۶۱۳-۶۱۵۔

۱۰ے موضوعات الصغانی (بیروت ۱۴۰۵ھ/۱۹۸۵ء) تحقیق: نجم عبدالرحمن خلف) ص ۲۵۔

۱۱ے صحیح مسلم، کتاب الزہد، فصل: الدنیا سجن المومن، عن ابی ہریرۃ۔

۱۲ے نجم عبدالرحمن، موضوعات الصغانی، ص ۱۱۷

۱۳ے مبارک پوری، عبدالرحمن، مقدمہ تحفۃ الاحوذی، (مبارکپور/ اعظم گڑھ ۱۳۵۹ھ) ص ۱۴۴

۱۴ے الکتانی، الرسالہ المستطرفہ (کراچی، ۱۳۷۹/ ۱۹۶۰ء) ص ۱۲۴

۱۵ے سخاوی، فتح المغیث بشرح الفیۃ الحدیث (جامعہ سلفیہ بنارس، ۱۴۰۷/ ۱۹۸۷ء، تحقیق: علی حسین علی) ج ۱، ص ۲۹۸-۲۹۹۔

۱۶ے سخاوی، المقاصد الحسنۃ (بغداد، ۱۳۷۵ھ/ ۱۹۸۶ء) ص ۱۱۶

۱۷ے الکتانی، الرسالہ المستطرفہ، ص ۱۲۴، مبارک پوری، مقدمہ تحفۃ الاحوذی، ص ۱۴۴

۱۸ے صحیح بخاری، کتاب العلم، باب السمر فی العلم... صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابۃ، باب بیان معنی قولہ صلی اللہ علیہ وسلم علی رأس مائۃ سنۃ لا یبقی نفس منفوسۃ ممن ہو موجود الآن

۱۹ے سورۃ النجم: ۳-۴

۲۰ے نجم عبدالرحمن، موضوعات الصغانی ص ۲۶ (نمبر ۷) ص ۲۵ (نمبر ۵) ص ۲۴ (نمبر ۴)

۲۱ے صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب مایکرہ من النیاحۃ علی المیت

۲۲ھ نجم عبد الرحمٰن، موضوعات الصغانی، ص ۲۴۔
۲۳ھ ملا علی قاری، الموضوعات الکبریٰ (مکتبہ اثریہ سانگلہ ہل) ص ۲۲۱، عجلونی، کشف الخفاء… (بیروت، ۱۴۰۵ھ/۱۹۸۵ء تحقیق: احمد القلاش) ج ۱ ص ۵۶۵، البیرونی، اسنی المطالب ص ۱۲
۲۴ھ حاجی خلیفہ، کشف الظنون (طہران، ۱۳۸۷ھ/۱۹۶۷ء) ج ۱ ص ۵۵۳، محمد عصام عزار الحسینی اتحاف القاری (دمشق، ۱۴۰۷ھ/۱۹۸۷ء) ص ۱۱۳-۱۱۴
۲۵ھ ابن الملک، عبد اللطیف بن عبد العزیز (۷۹۷ھ/۱۳۹۴ء) مبارق الازہار شرح مشارق الانوار (استانبول ۱۳۱۱ھ) ج ۱ ص ۱۷۔
۲۶ھ ناگوری، فرید الدین، سرور الصدر (مخطوطہ، پاکستان، ہسٹاریکل سوسائٹی، کراچی) ورق ۱۳۲۱ بحوالہ مقدمہ کتاب الانفعال ص رم
۲۷ھ بروکلمان، ضمیمہ، ج ۱، ص ۶۱۵۔
۲۸ھ الفریوائی، ڈاکٹر عبد الرحمٰن بن عبد الجبار، جہود مخلصۃ فی خدمۃ السنۃ المطہرۃ، بنارس ۱۴۰۶ھ/۱۹۸۶ء ص ۳۴۔
۲۹ھ مبارک پوری، مقدمہ تحفۃ الاحوذی، ص ۱۳۵-۱۳۶
۳۰ھ ڈاکٹر شیخ محمد اکرام، آب کوثر، (لاہور ۱۹۹۰ء) ص ۹۲
۳۱ھ ابن الملک، مبارق الازہار، ج ۱ ص ۲۹۴
۳۲ھ نجم عبد الرحمٰن، موضوعات الصغانی، ص ۳۲
۳۳ھ قاسمی، محمد جمال الدین، قواعد التحدیث۔ باب الرد علی من یزعم تصحیح بعض الاحادیث بالکشف بأن مدار الصحۃ علی السند
۳۴ھ سرورق درج ذیل شکل میں پایا جاتا ہے۔

الجمع بین الصحیحین البخاری ومسلم (مشارق الانوار النبویہ علی صحاح الاخبار المصطفویہ)
تصنیف: رضی الدین ابو الفضائل الحسن بن محمد الصغانی (۵۷۷-۶۵۰ء)
اعتنی بہ وعلق علیہ
اشرف بن عبد المقصود
مؤسسۃ الکتب الثقافیہ، بیروت، ۱۴۰۹ھ/۱۹۸۹ء، الطبعۃ الاولیٰ
۳۵ھ مقدمہ کتاب الانفعال، ص ۲۵۲

۳۶؎ فواد سیزگین، تاریخ التراث العربی (سعودیہ ۱۴۰۳ھ/ ۱۹۸۳ء تعریب: د۔ محمود فہمی حجازی۔ ج ا ص ۲۵۲

۳۷؎ ڈاکٹر محمد طفیل، علمائے پنجاب کی خدماتِ علوم دین (بزبان عربی) مقالہ Ph. D: لائبریری ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی، اسلام آباد) ص ۱۷۸۔ بحوالہ مجلۂ مکتبۃ الامام الاعظم۔ ج ا شمارہ۔ ص ۱۴۳

۳۸؎ مقدمۃ کتاب الانفعال ص/ ث

۳۹؎ فواد سیزگین، دراسۃ فیما تحتویہ مکتبات استنبول (جرمنی ۱۴۰۷ھ/ ۱۹۸۶ء) ج ۳، ص ۳۶۱

۴۰؎ امام صغانی، نقعۃ الصدیان (مخطوط: سلیمانیہ، حصہ: داماد ابراہیم پاشا، نمبر ۲۹۴) ورق ا ب

۴۱؎ ڈاکٹر زبید احمد، عربی ادبیات میں پاک و ہند کا حصہ، (لاہور، ۱۹۸۷ء اردو ترجمہ: شاہد حسین رزاقی) ص ۲۷۹

۴۲؎ Manuscript of Tradition of Bukhari. (Canmbridge 1936) P. 19 Mingana A. An important

۴۳؎ Cat. Minganas P. 205-207 (No. 125 (238)

Catalongue of the Arabic Manuscriptsin the John.

A. Mingena D. D. Ryands Library Mancchester (Manchoster 1934)

ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی کی ایک اہم پیش کش
مولانا سید جلال الدین عمری کی کتاب
اسلام اور مشکلاتِ حیات

- اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کے نافرمانوں پر مشکلات اور مصائب کیوں آتے ہیں؟
- اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کو ملی اور اجتماعی، شخصی اور انفرادی مشکلات سے کیوں گزارا جاتا ہے؟
- امراض، جسمانی تکالیف، مالی مشکلات، حادثات اور صدمات میں ایک مومن کا کیا رویہ ہونا چاہیے؟
- مرض اور مشکلاتِ حیات میں خودکشی کیوں ناجائز ہے؟
- مرض کی شدت میں کسی کی جان کیوں نہیں لی جاسکتی؟

یہ کتاب قرآن وحدیث کی روشنی میں ان سوالات کا جواب فراہم کرتی ہے، مؤثر اندازِ بیان، دل نشیں بحث اور علمی اسلوب، آفسیٹ کی حسین طباعت، خوب صورت سرورق۔ ضخامت ۸۸ صفحات۔ قیمت ۸ روپے

ملنے کا پتہ: منیجر مکتبہ تحقیق وتصنیف اسلامی۔ پان والی کوٹھی۔ دودھ پور، علی گڑھ ۲۰۲۰۰۱

تعارف وتبصرہ

قرآن کریم میں نظم ومناسبت

مصنف
ڈاکٹر عبید اللہ فہد فلاحی

(دور اول کے علمائے ادب وبلاغت کے افکار کا مطالعہ)

انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ
سنہ اشاعت ۱۹۹۸ : صفحات ۲۶۸ ۔قیمت ۱۰۰ روپے

قرآن کریم رہتی دنیا تک کے لیے معجزہ ہے۔ تمام دنیا کے انسان مل کر بھی اس جیسا کلام پیش کرنے کی کوشش کریں تو اس میں کامیاب نہیں ہوسکتے۔ اس کے اعجاز کے مختلف پہلو ہیں۔ ایک پہلو اس کا نظم ہے۔

نظم کا مفہوم زمانہ گزرنے کے ساتھ ساتھ بدلتا رہا ہے۔ یا بالفاظ دیگر اس میں وسعت آتی گئی ہے۔ دور اول کے علمائے ادب وبلاغت کے نزدیک نظم کا مطلب آیات کا اندرونی دروبست اور الفاظ قرآنی کا ادبی وبلاغی ارتباط تھا۔ اس سے آگے بڑھ کر کوئی وسیع تر اور جامع نظم ان کے پیش نظر نہ تھا۔ اعجاز قرآن میں اس کے الفاظ کو اہمیت حاصل ہے یا ان کے معانی کو؟ الفاظ ذاتی طور پر بلاغت کے حامل ہوتے ہیں یا ان کا برمحل اور موزوں استعمال ان میں ادبی حسن پیدا کرتا ہے؟ اس طرح کے مباحث پر انھوں نے بہت تفصیل سے اظہار خیال کیا ہے بعد میں بعض مفسرین نے نظم کا یہ تصور پیش کیا کہ پورا قرآن اللہ کا مرتب، مربوط اور منضبط کلام ہے۔ اس کی تمام سورتیں اور سورتوں کی تمام آیتیں باہم اس طرح مربوط ہیں کہ اگر کسی سورت کی کسی آیت کو نکال دیا جائے یا کسی سورت کی کسی آیت کو آگے یا پیچھے کر دیا جائے تو اس کا نظم درہم برہم ہوجائے۔

ڈاکٹر عبید اللہ فہد نے نظم قرآن کی پوری تاریخ کا تحقیقی مطالعہ کیا ہے اور عہد بعہد جائزہ لیتے ہوئے اس تصور کے حاملین کے افکار کا تجزیہ پیش کیا ہے۔ زیر نظر کتاب نظم قرآن کے موضوع پر علمائے ادب وبلاغت کے افکار کے مطالعہ تک محدود ہے۔ نظم کا جامع تصور پیش کرنے والے معروف مفسرین کے افکار

کا مطالعہ ڈاکٹر فہد نے اپنی ایک دوسری تصنیف میں پیش کیا ہے جو منتظر طبع ہے۔

زیر نظر کتاب میں چار ابواب ہیں۔ پہلے باب میں نظم قرآن کی تاریخ پر اجمالی نظر ڈالی گئی ہے۔ دوسرے باب کا عنوان ہے نظم قرآن کے ادبی مطالعات۔ اس میں ابن قتیبہ (م ۲۷۶ھ) رمانی (م ۳۸۴ھ) عبدالجبار اسدآبادی (م ۴۱۵ھ) خطابی (م ۳۸۸ھ) اور باقلانی (م ۴۰۳ھ) کے نظریات بیان کیے گئے ہیں۔ تیسرا باب دو فصلوں پر مشتمل ہے پہلی فصل میں عبدالقاہر جرجانی (م ۴۷۱ھ) کی تصانیف دلائل الاعجاز اور اسرار البلاغہ کی روشنی میں ان کے نظریۂ نظم سے مفصل بحث کی گئی ہے اور دوسری فصل میں جرجانی پر جدید مطالعات کا خلاصہ پیش کرکے ان پر تبصرہ کیا گیا ہے۔ چوتھے باب میں نظم قرآن پر زمخشری (م ۵۳۸ھ) کی تفسیر الکشاف کے حوالے سے گفتگو کی گئی ہے۔

زیر نظر کتاب اپنے موضوع پر ایک اہم اور منفرد پیش کش ہے فاضل مصنف نے دینی اور عصری دونوں تعلیم گاہوں سے کسب فیض کیا ہے اس لیے ان کی تحریروں میں علم و تحقیق کی گہرائی بھی ہے اور اظہار اور پیش کش کی سحر انگیزی بھی۔ اس کتاب میں موضوع کے تمام پہلوؤں پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔

تصحیح کا اہتمام کرنے کے باوجود پروف کی خاصی غلطیاں رہ گئی ہیں۔ آیات کو مصحف کے طرز کتابت پر اعراب کے ساتھ لکھنا مناسب تھا۔ نظم قرآن سے متعلق زمخشری کے افکار و خیالات کو اس کتاب کے بجائے دوسری کتاب میں شامل کرنا زیادہ موزوں تھا اس لیے کہ زمخشری کی زیادہ ترجیحیں نظم قرآن کے جامع اور وسیع تر تصور سے متعلق ہیں۔

امید ہے اہل علم کی جانب سے اس کتاب کی پذیرائی ہوگی۔

(محمد رضی الاسلام ندوی)

فقیہ الشام (امام) اوزاعیؒ

ڈاکٹر قاضی زین الساجدین صدیقی

دائرۃ المصنفین، مکتبہ علمیہ، قاضی اسٹریٹ، میرٹھ۔ یوپی

سنہ اشاعت ۱۹۹۷ء، صفحات: ۲۰۰، قیمت درج نہیں۔

کتاب و سنت کے سرچشموں سے استفادہ کرکے جن فقہاء کرام نے فقہ اسلامی

کی تشکیل وتدوین کی عظیم خدمت انجام دی ہے ان میں ایک مشہور اور اہم نام فقیہ شام امام ابوعمرو عبدالرحمٰن الاوزاعی (۸۸ - ۱۵۷ھ) کا ہے۔ آپ ایک فقہی مسلک کے بانی تھے جسے ایک زمانے میں شام اور اندلس میں مقبولیت حاصل تھی لیکن بعد میں وہ متروک ہوگیا۔

امام اوزاعی کی سیرت اور فقہ پر کام نہ ہونے کے برابر ہے۔ عربی زبان میں صرف دو چار مختصر کتابیں ملتی ہیں اور وہ بھی صرف حالات زندگی تک محدود ہیں۔ ڈاکٹر قاضی زین العابدین ریڈر شعبۂ دینیات سنی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ قابل مبارک باد ہیں کہ انھوں نے اس کتاب کے ذریعہ اہل علم کو فقہ اوزاعی سے روشناس کرایا۔ یہ درحقیقت وہ تحقیقی مقالہ ہے جس پر موصوف کو شعبۂ دینیات سنّی سے پی ایچ ڈی کی ڈگری تفویض کی گئی ہے۔

کتاب پانچ ابواب پر مشتمل ہے۔ باب اول میں امام اوزاعی کے حالات زندگی، عادات و اطوار اور سیرت و کردار پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ باب دوم میں ان کے شیوخ اور تلامذہ کا مختصر تذکرہ ہے۔ باب سوم میں تصانیف، مکاتیب، خطبات اور مناظروں کے حوالے سے بحث ہے۔ باب چہارم عہد اوزاعی پر ہے۔ باب پنجم میں امام اوزاعی کی فقہ کا تعارف کراتے ہوئے اس کی خصوصیات، اصول، مراکز اور متروک ہو جانے کے اسباب پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ تحقیقی مقالہ کا اصل حصّہ جس میں فقہ، حدیث اور شروح حدیث کی کتابوں کی مدد سے فقہ اوزاعی کی جزئیات اکٹھا کی گئی ہیں، اس کتاب میں شامل نہیں ہے۔ اسے الگ سے شائع کرنے کا ارادہ ظاہر کیا گیا ہے۔

یہ دیکھ کر بہت افسوس ہوا کہ اس کتاب کی ترتیب و طباعت میں انتہائی لاپرواہی کا مظاہرہ کیا گیا ہے۔ مثلاً باب اول ص ۶۷ پر ختم ہوا ہے مگر باب دوم کا صفحہ ۶۲ اور ص ۶۳ کے درمیان ہی لگ گیا ہے۔ باب پنجم کا آغاز ص ۱۵۶ سے ہوگیا ہے جبکہ باب چہارم کا آخری صفحہ آگے ص ۱۵۹ پر لگا ہوا ہے۔ تلامذہ کی فہرست میں شروع میں ۵۶ نام گنائے گئے ہیں لیکن جب ہر ایک کا الگ الگ تذکرہ کیا گیا تو یہ فہرست ۶۰ تک پہنچ گئی ہے۔ "اسی" اور "یہی" جیسے الفاظ کو ہر جگہ "اس ہی" اور "یہ ہی" لکھا گیا ہے۔

امید ہے فاضل مصنف اپنے تحقیقی مقالہ کے بقیہ حصہ کو بھی جلد شائع کروائیں گے۔

(محمد رضی الاسلام ندوی)

ماہنامہ الفرقان لکھنؤ

(اشاعت خاص بیاد بانی الفرقان حضرت مولانا محمد منظور نعمانی ؒ)

مرتب: مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی

اپریل تا اگست ۱۹۹۸ء صفحات ۶۷۶ قیمت ۱۱۵ روپے

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی مرحوم ان خوش نصیب افراد امت میں ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے طویل عمر عطا فرمائی۔ الفرقان کا یہ خصوصی شمارہ ان کی یاد میں ایک شایانِ شان دستاویز ہے جس میں ان کی زندگی کے سارے نشیب و فراز جمع ہو گئے ہیں۔ یہ شمارہ حسب توقع مولانا مرحوم پر توصیفی اور تاثراتی تحریروں کا مجموعہ ہے۔ ان کے سعید وارثین نے ان کی سیرت کے مختلف پہلوؤں کو محفوظ کر کے اپنی نیازمندی اور سعادت مندی کا ثبوت فراہم کیا ہے جس کے لیے اس کے مرتب مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی مدظلہ مبارک باد کے مستحق ہیں۔

اس خصوصی شمارہ کے بیش تر مضامین کا انداز ایک جیسا ہے۔ البتہ مولانا حنیف ملی نے مولانا مرحوم کی تصانیف کے حوالے سے انھیں یاد کیا ہے اور مولانا محمد زکریا سنبھلی نے ان میں سے معارف الحدیث اور قطب الدین ملا نے "دین و شریعت" کو بطور خاص اپنی تحریر کا عنوان بنایا ہے۔ ان تازہ مضامین کے علاوہ مختلف رسائل وجرائد میں انتقال کے معًا بعد شائع ہونے والی تحریریں بھی جمع کی گئی ہیں اور خاص بات یہ ہے کہ مولانا نعمانی مرحوم کی متفرق تحریروں کے اقتباسات اور اہم خطوط کا انتخاب بھی اس شمارہ کے اہم اجزا ہیں۔ آخری تحریر خود مرتب کے قلم سے ہے جو ایک طرح سے اس شمارہ کا خلاصہ وماحصل ہے۔ کچھ منظوم عقیدت پارے بھی ہیں۔

جس اہتمام اور سلیقہ سے یہ شمارہ مرتب ہوا ہے اس سے فاضل مرتب کی فنی مہارت واضح ہوتی ہے۔ ان کی یہ کوشش بھی لائق ذکر ہے کہ تمام مضامین کا رخ ایک ہی سمت میں رہے۔ چنانچہ جہاں کہیں قبلہ کج ہوتا نظر آیا اسے درست کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

اس شمارہ کے تین مضامین خصوصی توجہ کے مستحق ہیں ایک مرتب کا آخری مضمون جس کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ دوسرے مولانا خلیل الرحمٰن سجاد نعمانی کا مضمون اور تیسرے جناب محمد یونس سلیم کا مضمون یہ تینوں مضامین اس عہد کے بعض اہم مسائل (ISSUES) کے حوالے سے لکھے گئے ہیں اور ان میں غور وفکر کی خاطر بعض سوالات یا تو قائم کیے گئے ہیں یا از خود ان سے برآمد ہوتے ہیں۔

۱۹۳۶ء کے جنرل الیکشن کے بعد ملک کے مستقبل کے بارے میں بانی الفرقان کی یہ رائے ان کی سیاسی و دینی بصیرت کی غماز ہے۔

"کانگریس کے پیش نظر ملک کی تعمیر کا جو نقشہ ہے اس میں ہمارے عزائم کی تکمیل کے لیے کوئی گنجائش نہیں بلکہ صحیح تر یہ ہے کہ اس میں اور ہمارے نصب العین میں ...... تضاد کی نسبت ہے ...... یہ قوم یا نیشنلزم کے دریا میں ڈوبے گی یا سوشلزم کے سیلاب میں بہے گی ...... اور دونوں ہی ..... کا نتیجہ مسلمانوں کا جزوی یا کلی ارتداد ہے۔"

سجاد صاحب نے اپنے مضمون میں لکھا ہے کہ "والد ماجد کو اس تہذیبی ارتداد کا مداوا تبلیغی محنت کی شکل میں نظر آیا اور اس بارے میں انھیں مکمل انشراح واطمینان تھا۔" اسی کیفیت کو مرتب شمارہ مکمل یکسوئی سے تعبیر کرتے ہیں۔ تبصرہ نگار کی نظر میں نہ یہ مکمل انشراح تھا نہ کامل یکسوئی۔ اس لیے کہ اگر ایسا ہوتا تو وہ اس کام سے جڑنے کے بعد سجاد صاحب کے لفظوں میں "ہندوستان کے افق پر منڈلانے والے متحدہ قومیت اور برہمنی کلچر کے خطروں کو محسوس نہ کرتے اور ان کے مقابلہ کی ہر ممکن تدبیر نہ کرتے۔" (ص ۳۱۹) اور عتیق الرحمٰن صاحب کے لفظوں میں "مسلمان بچوں کے دین وایمان کو ان خطرات سے محفوظ کرنے اور مسلم کش فسادات نے اس یکسوئی میں فرق ڈالا۔" (ص ۶۳۷) یکسوئی کا یہ فرق ایک دوسری تعبیر کے نتیجہ میں عدم یکسوئی پر دلالت کرتا ہے اور اس کی دلیل بانی الفرقان کا یہ قول ہے کہ "آج کے حالات میں ضرورت ہے ایک ہمہ گیر دعوت لے کر اٹھنے اور جدوجہد کا ایک مختلف نظام قائم کر دینے کی۔" چنانچہ اصلاح امت کے لیے انھوں نے تبلیغی جماعت کی راہ اختیار کی اور ملی سیاست کے لیے جمعیۃ العلماء سے وابستہ ہوئے

صحافتی وعلمی سطح سے اصلاح کے لیے الفرقان جاری رکھا اور امت کے اجتماعی مسائل کے حل کے لیے مسلم مجلس مشاورت اور رابطہ عالم اسلامی جیسے اداروں کی تاسیس وتحریک میں شریک رہے نیز تعلیمی محاذ پر امت کے درد کا درماں کرنے کی خاطر دارالعلوم دیوبند کی شوریٰ سے وابستگی برقرار رہی۔

اس شمارہ کے زیادہ تر مضامین میں جماعت اسلامی کے نصب العین سے للٰہی محبت اور والہانہ عقیدت ووابستگی کے باوجود مولانا مودودی کی اہلیت قیادت سے غیر مطمئن ہوکر جماعت سے علٰحدہ ہونے کا ذکر ہے۔ اس ضمن میں مولانا مرحوم کا ایک بیان فاضل مرتب نے یہ نقل کیا ہے کہ مولانا مودودی کو جماعت کی امارت کے لیے موزوں ترین آدمی میں نے سمجھا تھا۔" اب ...... مجھے معلوم ہوا کہ ان کا حال وہ نہیں ہے جو ان کے بتلانے سے میں نے سمجھا تھا" (ص ۶۲۷) مولانا مودودی کے بارے میں یہ بیان درایت کے اعتبار سے انتہائی کمزور ہے خصوصاً "ان کے بتلانے سے" کا فقرہ۔ مولانا نعمانی نے اپنے حسن ظن کی بنا پر یہ رائے دی ہوگی ورنہ اگر ان کے علم کا ذریعہ مولانا مودودی کی اپنی اطلاع یا خبر تھی تو محض یہ بات دستور جماعت کی رو سے قیادت کے لیے ان کی نااہلیت ثابت کرتی تھی۔

اس شمارہ کی قابل ذکر باتیں تو اور بھی ہیں مگر اس مختصر تبصرے میں صرف اس جملہ معترضہ کے ذکر ہی کی گنجائش ہے جو مرتب کے آخری مضمون میں ٹیپ کے بند کی حیثیت رکھتا ہے۔ ان کو مولانا مودودی کی سب سے زیادہ قابل اعتراض بات ان کا انداز تکلم معلوم ہوا۔ لکھتے ہیں "معلوم ہوتا ہے کہ کوئی آدمی آسمان ہفتم سے بول رہا ہے اور باقی ساری دنیا بونوں اور احمقوں پر مشتمل ہے"۔ ان کے نزدیک مولانا کی دوسری قابل اعتراض بات ان کی تحریروں میں طنز وتعریض کا انداز اور تیسری کمزوری تحریروں کا بے مغز ہونا ہے۔ تعجب ہے کہ مولانا نعمانی مرحوم کو اس طرز تکلم سے کوئی مناسبت تھی نہ وہ اس طنز وتعریض سے آشنا رہے۔ پھر بھی اپنے تمام تر فہم وفراست کے باوجود ان بے مغز تحریروں کے اسیر محض سحر کارانہ طرز کلام کی وجہ سے ہو گئے۔ مرتب نے مولانا نعمانی کی مولانا مودودی سے اس وابستگی کو "تقدیری امر" قرار دیا ہے (ص ۶۳۴) گویا ان کی اپنی سمجھ بوجھ کو اس میں دخل نہ تھا۔ اس

سے بڑھ کر اس موقف کی حقانیت اور صداقت کے حق میں اور کیا رائے دی جاسکتی ہے؟ وہ مزید فرماتے ہیں " مودودی صاحب کو قریب سے دیکھنے کے بعد طبیعت کو سخت دھکا لگا..... ایک بار قطعی مایوسی کا فیصلہ بھی کرلیا مگر دعوت کو برحق سمجھتے ہوئے دو ڈھائی سال کسی موزوں تر آدمی کی تلاش میں ناکامی کے بعد پھر طبیعت موصوف ہی کے لیے نرم ہوئی۔" (ص ۶۳۴)

دعوت اگر برحق تھی اور اس سے للٰہی تعلق بھی تھا تو یہ طرز عمل کیسے موزوں قرار پائے گا کہ کسی ایک شخص کی وجہ سے اس سے قطع تعلق کرلیا جائے جبکہ مقصد کسی شخص کے مقابلہ میں بہرصورت ارفع و اعلیٰ ہوتا ہے کسی اہل تر شخص کی قیادت میں اسے جاری رکھنا چاہیے تھا۔

(منور حسین فلاحی)

ید بیضا

ابوالمجاہد زاہد

ناشر: مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز۔ نئی دہلی ۔ ۲۵

طبع اول اکتوبر ۱۹۹۸۔ صفحات ۱۹۲۔ قیمت =/۸۰

زیر نظر شعری مجموعہ حلقۂ ادب اسلامی کے معروف اور بزرگ شاعر ابوالمجاہد زاہد (پ ۱۹۲۸ء) کا ہے۔ موصوف کی عمر کا بڑا حصہ مرکزی درس گاہ اسلامی رام پور میں درس و تدریس میں گزرا۔ انھوں نے نئی نسل کی ذہنی تربیت کے لیے بے حد دلکش نظمیں لکھیں ہیں جو نصاب تدریس کا جز بن گئیں۔ آج کل وہ مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز نئی دہلی کے زیر اہتمام شائع ہونے والی نصابی کتب کی ترتیب و تدوین نو میں جماعت اسلامی ہند کے شعبۂ تعلیمات کی معاونت کر رہے ہیں۔ تقریبًا چالیس سال سے وہ ادارۂ ادب اسلامی کی مجلس اعلیٰ کے ایک معزز رکن ہیں۔

یہ شعری مجموعہ تین حصوں پر مشتمل ہے حصہ اول 'حرف تابندہ' کے عنوان سے ہے۔ یہ حمد، نعت اور منقبت پر مشتمل ہے۔ دوسرے حصے کا عنوان ہے "شعلۂ" یہ غزلوں کے لیے مخصوص ہے۔ تیسرے حصے میں 'سنگ دیدہ' کے زیر عنوان نظمیں جمع کی گئیں ہیں۔ شروع میں مشہور نقاد ڈاکٹر ابن فرید نے ان کی شخصیت اور فن کا تعارف کرایا ہے۔

اور ادارۂ ادب اسلامی کے صدر ڈاکٹر سید عبدالباری شبنم سبحانی نے ان کے فکر و فن پر مبسوط تبصرہ کیا ہے۔

ابو المجاہد زاہد کے کلام کی قدر و قیمت متعین کرنے کے لیے ابن فرید کی یہ شہادت کافی ہے" ان کا فنی کمال الفاظ کا برمحل استعمال، مضامین شعر کو برجستگی کے ساتھ پیش کر دینے پر عبور، علمی تبحر اور ذہنی بالیدگی ان کے کلام کی پختگی کی ضامن ہے۔ ان کو فن شعر پر کمال حاصل ہے۔ وہ جس حد تک فنی نزاکتوں پر عبور رکھتے ہیں اسی قدر انھیں زبان شعر کو برتنے کا سلیقہ آتا ہے"۔ (ص۱)

زاہدؔ کے کلام میں شعر کے جملہ لوازم کے اہتمام کے ساتھ اسلامی اقدار اور تعلیمات کی بھرپور ترجمانی پائی جاتی ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں:۔

ایک ہو جائیں تو بن سکتے ہیں خورشید مبین
ورنہ ان بکھرے ہوئے تاروں سے کیا کام بنے

تیا شجر سے ٹوٹ کے بے وزن ہو گیا
اڑنے لگا جدھر بھی اڑانے لگی ہوا

لوگ چن لیں جس کی تحریریں حوالوں کے لیے
زندگی کی وہ کتاب معتبر ہو جانیے

ظلم کو ظلم کہہ رہے ہیں ہم
اس لیے ظلم سہہ رہے ہیں ہم

وہ اپنے کلام میں عصر حاضر کے سلگتے ہوئے مسائل پر مبصرانہ نگاہ ڈالتے ہیں بقول ڈاکٹر عبدالباری " طنز کی نشتریت ماحول کے کرب اور فضا کی کثافتوں کا شدید احساس اور طرح طرح کی حکیمانہ نکتہ طرازیاں ان کے کلام میں موجود ہیں"۔ (ص۲) چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

پھر بھی ہے بہت فاصلہ دونوں کے دلوں میں
دیوار سے دیوار پڑوسی کی ملی ہے

یوں کر رہے ہیں لوگ نمائش خلوص کی
جیسے یہاں کسی کو کوئی جانتا نہ ہو

میں گرا تو وہ بڑھا مجھ کو اٹھانے کے لیے
بھیڑ میں دانستہ خود جس نے مجھے دھکا دیا

شرط ہے زاہد شعور منزل مقصود بھی
ہر ہجوم رہرواں کو کارواں کہتے نہیں

ساحر کی رسیوں سے وہی لوگ ڈر گئے
جو بھیڑ میں کھڑے تھے کلیمی عصا لیے

اس خوبصورت اور قابل قدر شعری مجموعہ کی اشاعت پر میں مرکزی مکتبہ اسلامی کے ذمہ داروں کو مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ امید ہے ادبی حلقوں میں اس کی پذیرائی ہوگی۔

(محمد رضی الاسلام ندوی)